بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ

"إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة"

کا عام فہم اردو ترجمہ بنام

عبادت میں ریاضت کا شرعی حکم

نظر ثانی

مفتی محمد جمال الدین قاسمی

صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد

ترجمہ و تحقیق و تعلیق

مفتی محمد عبدالرحمن قاسمی

استاذ فقہ و ادب دارالعلوم حیدرآباد

نام کتاب	عبادت میں ریاضت کا شرعی حکم
	(ترجمہ: اقامة الحجة علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعة)
نام مؤلف	ابوالحسنات مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ
نظر ثانی	مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد
ترجمہ وتحقیق	مفتی محمد عبدالرحمن صاحب قاسمی استاذ فقہ وادب دارالعلوم حیدرآباد
	فون نمبر: 6305248704
صفحات	
کمپوزنگ	مولوی محمد عبدالسمیع (شریک عربی ہفتم دارالعلوم حیدرآباد)
ناشر	بیت العلم، موضع کومئ، پوسٹ ناڑی، وایا بینی پور، ضلع دربھنگہ (بہار)

ملنے کے پتے

(۱) بیت العلم، موضع کومئ، پوسٹ ناڑی، وایا بینی پور، ضلع دربھنگہ (بہار)

(۲) مولانا سہیل احمد رحمانی، استاد مدرسہ امدادیہ لہیریا سرائے دربھنگہ (بہار)

فہرستِ مضامین

کلمات بابرکات

امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم

نائب شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم حیدرآباد

ابو الحسنات علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بہت مشہور ومعروف عالم دین تھے، آپ نے بیک وقت محدث، فقیہ، متکلم، معقولی، صاحب افتاء کی حیثیت سے اپنا لوہا اہل علم حلقوں میں منوایا تھا، آپ کی عمر کا کارواں گو بہت قلیل اور مختصر تھا؛ لیکن اس میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ رہتی دنیا تک انہیں یاد رکھا جائے گا، آپ کے اشہبِ قلم سے نکلی ہوئی تحقیقی تصانیف ورسائل آج اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنی ہوئی ہیں، اور علماء کو علمی وفکری غذا بہم پہونچا رہی ہیں۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کا اردو جامہ پہنانے کا بیڑہ عزیز گرامی قدر مفتی محمد عبد الرحمن قاسمی استاذ فقہ وادب دار العلوم حیدرآباد نے اٹھایا ہے، بحمد اللہ اس سے پہلے الانصاف فی حکم الاعتکاف بنام اعتکاف کا شرعی حکم ـــ ایک منصفانہ تجزیہ، ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان بنام رمضان کی بدعات ورسومات اور عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ کے مقدمہ کا ترجمہ بنام فقہ اور فقہائے اسلام کیا ہے کا سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا تھا، جسے اہل علم نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک چوتھی کڑی اقامۃ الحجۃ علی أن الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ کیا ہے، یہ ترجمہ بھی ایسا عمدہ ہے کہ اس کو پڑھنے کے دوران ترجمہ پن کا احساس نہیں

ہوتا، عزیز موصوف نے الفاظ سے قریب رہ کر مفہوم کی ادائیگی میں بہترین سلیقہ مندی کا مظاہرہ کیا ہے اوراس ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالے کو بھی اصل کی طرح قبول فرمائے، انہیں مزید دینی خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کے قلم کو ہمیشہ تازہ اور سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین

محمد جمال الدین قاسمی

خادم دارالعلوم حیدرآباد

تقریظ

سلطان القلم حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ حدیث دارلعلوم حیدرآباد

ابوالحسنات حضرت علامہ عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ قریبی زمانے کے اُن بافیض علماء میں سے ہیں جن کے وقت اور عمر میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی برکت دی تھی، محض چالیس سال کے لگ بھگ عمر پائی مگر کام سینکڑوں سال کا کیا، چھ سات سو سال پیچھے چلے جائیں تو علامہ نووی رحمہ اللہ نے اپنی مختصر زندگی میں جو حیرت انگیز علمی کارنامے انجام دیے تھے، علامہ لکھنوی کی زندگی میں بھی اُس کا عکس نظر آتا ہے۔

علامہ لکھنوی نے علومِ اسلامیہ کی تقریباً ہر شاخ میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں، خاص طور پر مختلف فقہی وفنی مسائل پر علامہ نے جو دادِ تحقیق دی ہے؛ اُس کی مثال نہیں ملتی، علامہ نے ایک ایک مسئلہ پر طویل طویل رسائل تصنیف کئے ہیں، جن میں مسئلہ کے مالہ وماعلیہ کے علاوہ بہت سے اصولی مباحث اور نادر جزئیات جمع کر دی ہیں۔

اقامۃ الحجۃ علی أن الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ بھی علامہ کا اِسی قسم کا ایک رسالہ ہے، جس میں اِس موضوع سے متعلق اصولی مباحث، دلائل ونظائر اور متعارض دلائل کا جواب؛ سب چیزیں موجود ہیں۔

علامہ نے ایک خاص پس منظر میں یہ رسالہ قلمبند کیا تھا، رسالے کے ابتدائیے میں حضرت نے اس جانب اشارہ بھی کیا ہے، ہمارے اِس زمانے میں بھی ایک گروہ کی جانب سے علمائے سلف سے منقول غیر معمولی ریاضات ومجاہدات؛ خاص طور پر امام ابو

حنیفہ رحمہ اللہ کے اس عمل کو لے کر کہ: آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی، فضول گوئیوں کا ایک طوفان وقفہ وقفہ سے کھڑا کیا جاتا رہتا ہے، اِس رسالہ کے مشمولات؛ ایک طرف ایسے معترضین ومعاندین پر حجت قائم کرنے والے ہیں تو دوسری طرف اہلِ مجاہدہ کو مزید ہمت وبصیرت فراہم کرنے والے ہیں، ضرورت تھی کہ اِس مفید رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ ہوتا کہ عام رہروانِ سلوک وطریقت کو اس سے رہنمائی ملے اور وہ؛ ریاضات ومجاہدات کر کے قرآنی وعدہ " والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا " کے حقدار بنیں۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد کے کامیاب استاذِ فقہ وادب مفتی محمد عبد الرحمن صاحب قاسمی زید علمہ نے اِس رسالہ کو بہت ہی اچھے انداز میں اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے، موصوف نے مذکورہ رسالہ کو قابلِ استفادہ بنانے میں کوئی کَسر باقی نہیں رکھی، ہر بحث پر دلکش عناوین لگائے، آسان پیرائے میں رسالے کے مضامین کو اردو زبان میں منتقل کیا، اِس پر مستزاد یہ کہ مترجم کے عالی قدر والدِ بزرگوار امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم صدر مفتی دار العلوم حیدرآباد نے اِس علمی کاوش پر نظر ثانی فرمائی ہے جو بجائے خود اِس ترجمے کے استناد واعتبار کے لئے بہت کافی ہے، دعا ہے کہ اللہ پاک نے جس طرح ماضی قریب میں عالَمِ عرب کی نامور علمی وروحانی شخصیت شیخ عبد الفتاح ابو غدّہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو علومِ لکھنوی سے خصوصی مناسبت واعتناء نصیب فرمایا تھا، مترجم موصوف کو بھی عطا فرمائے اور ان سے اپنے دین کی خوب خدمت لے۔ (آمین)

سید احمد ومیض ندوی

خادم التدریس جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد

تقریظ

حضرت مولانا محمد مجیب الدین صاحب حسامی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارلعلوم حیدرآباد

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

ابو الحسنات حضرت علامہ عبد الحئ لکھنوی رحمہ اللہ ماضی قریب کی اُن شخصیات میں سے ہیں؛ جن کے علمی کارناموں کو دیکھ کر سلفِ صالحین اور علمائے متقدمین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، حضرت العلامہ کو جملہ اسلامی علوم وفنون میں مجتہدانہ مہارت حاصل تھی، وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے، اس کا بھر پور حق ادا کرتے اور موضوع کے مالہٗ وما علیہ سے مکمل بحث فرماتے، مطالعہ کی وسعت اور سرعت کا عالم یہ تھا کہ خود تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں کہ:" میں چند گھنٹوں میں ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہوں"۔

تصنیف وتالیف کے حوالے سے حضرت العلامہ نے اپنی مختصر زندگی میں نہایت جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں، علمی مباحث کو بیش بہا عقلی ونقلی دلائل سے مدلل کرنا حضرت علامہ کی امتیازی خصوصیت ہے، چاہے علامہ کے رسائل ہوں یا کتبِ فقہ وحدیث کی شروحات وحواشی ہوں؛ ہر جگہ علامہ کا اسلوبِ نگارش قاری کو اپنی گرفت میں لیتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کو قائل و مطمئن کئے بغیر نہیں چھوڑتا!

"إقامة الحجة على أن الإكثار فى التعبد ليس ببدعة " علامہ کے تحقیقی رسائل میں سے ایک اہم ترین رسالہ ہے، جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے، اِس رسالے میں علامہ نے عبادات میں غیر معمولی کثرت رکھنے کے مشروع ہونے کو ثابت کیا ہے، اِس بات کو لے کر زمانہ قدیم ہی سے بعض لوگوں نے امت کے زہّاد وعباد ت گزار

طبقہ کو اپنی تنقیدات کا نشانہ بنایا ہے، ہمارے اِس زمانے میں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے، خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اِس معمول کو لے کر کہ: ”آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نمازِ فجر ادا فرمائی تھی“ موجودہ دور کا ایک بے توفیق گروہ خوب موضوعِ بحث بلکہ موضوعِ مذاق بناتا ہے، علامہ نے اپنے اس مختصر رسالے میں نہ صرف اصولی اعتبار سے اس کی مشروعیت ثابت کی بلکہ تعارضِ ادلہ کو بھی نہایت احسن طریقے سے رفع فرمایا نیز خیر القرون سے صحابہ و تابعین اور سلفِ صالحین کی ایسی جماعت کی ایک منتخب فہرست پیش فرمائی ہے جن کی زندگیاں کثرتِ عبادت سے معمور تھیں، علامہ کا یہ قیمتی ومفید رسالہ بزبانِ عربی تھا، جس کی وجہ سے اردوداں طبقہ اس کے ذریعے فائدہ اٹھانے سے محروم تھا، اللہ جزائے خیر دے عزیزم مفتی محمد عبدالرحمن قاسمی صاحب زید علمہ وفضلہ کو کہ جنہوں نے اس رسالے کو اردو زبان کے قالب میں ڈھال کر قابلِ استفادہ بنادیا۔

مفتی صاحب موصوف بیک وقت عربی ادب اور فقہِ اسلامی دونوں میں عمدہ استعداد رکھتے ہیں اور یہی دو چیزیں علامہ لکھنوی کے علوم سے استفادہ کے لئے درکار ہوتی ہیں، مفتی صاحب نے اس سے قبل بھی علامہ لکھنوی کے چند ایک رسائل کا، اِسی طرح شرح الوقایہ کے مشہورِ زمانہ مقدمہ ”عمدۃ الرعایہ“ کا بھی شاندار ترجمہ فرمایا تھا، زیرِ نظر رسالہ کا بھی مفتی صاحب نے سلیس اور رواں ترجمہ فرمایا ہے، اِس پر مفتی صاحب کے والدِ بزرگوار مخدومنا واستاذنا امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی نظرِ ثانی نے مزید استناد وقبول کی مہر لگادی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عزیزم مفتی محمد عبدالرحمن صاحب قاسمی کی یہ کاوش عنداللہ مقبول ہو اور بندگانِ خدا کے لیے مفید ثابت ہو اور موصوف کو مزید دینی خدمات کی توفیق عطا ہو آمین!

محمد مجیب الدین حسامی

۲۹/شوال المکرم ۱۴۴۴ھ خادم التدریس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

عرض مترجم

"اقامة الحجة على أن الاكثار فی التعبد لیس ببدعة " خاتم الفقہاء والمحدثین ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا شاہکار بے نظیر رسالہ ہے، حضرت العلام کو اس کتاب کی تصنیف کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس پر آپ نے خود کتاب کے آغاز میں روشنی ڈالی ہے کہ بعض بے توفیق لوگ کہتے ہیں کہ عبادت میں جان کاہ محنت جیسے پوری رات عبادت کرنا، ایک رکعت میں مکمل قرآن مجید پڑھنا، ایک ہزار رکعت نفل نماز ادا کرنا وغیرہ بدعت ہے اوران ناعاقبت اندیش نے اسی پر اکتفانہیں کیا؛ بلکہ انہوں نے ان اولیائے کرام اور ائمہ عظام کو بھی ہدف ملامت بنایا جنہوں نے پورے اخلاص کے ساتھ رضاءالہی کی خاطر کثرت عبادت کا اہتمام کیا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید کے لیے یہ رسالہ ترتیب دیا ہے، اور متعلقہ مباحث پر تفصیلی وتحقیقی اتنے اچھے انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ قاری اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا ضرور اعتراف کرے گا کہ یہ رسالہ اس موضوع پر اول وآخر ہے۔

یہ رسالہ پانچ اہم ابواب پر مشتمل ہے:

پہلا باب: خیرالقرون میں پائے جانے افعال کا شرعی حکم، اس باب میں چند قیمتی باتیں بھی آگئی ہیں، جیسے: فروعی مسائل میں اختلاف موجب ضلالت نہیں ہے، اہل حق علماء ہی دین کے اصلی ترجمان ہیں، وتر میں دعاء قنوت سے پہلے تکبیر اور ہاتھ اٹھانے کا حکم، **کل بدعة ضلالة** عام ہے یا خاص وغیرہ۔

دوسرے باب میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے ان خوش نصیب چنندہ ہستیوں کی ایک منتخب فہرست پیش فرمائی ہے جن کی زندگیاں کثرت عبادت سے معمور تھیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عبادت وریاضت اوران کی احسانی کیفیت کو بسط وتفصیل کے ساتھ قلم بند فرمایا اور آپ کے تابعی ہونے کو بھی ثابت کیا۔

تیسرے باب میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ اس پر دلائل کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے کہ عبادات میں طاقت وقدرت اورتوانائی کے بقدر جد وجہد کرنا نہ صرف مباح ہے؛ بلکہ از روئے شرع مستحسن ہے۔

چوتھے باب میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے ان احادیث کا تحقیقی جواب دیا ہے جن سے فریق مخالف نے اپنے موقف کی تائید میں ذکر کیا، اس باب میں ریاضات شاقہ کے دس شرائط بھی قدرے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، یہ بحث اتنی عمدہ اورانوکھی ہے کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے بقول متقدمین ومتاخرین علماء کی کتابیں اس سے خالی ہیں۔

جو شخص خالی الذہن ہوکران دونوں (تیسرا اور چوتھا) ابواب جو کتاب کا لب لباب ہیں، کا مطالعہ کرے گا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ دین کا عمومی مزاج آسانی کا ہے، اسلام میں عبادات میں اعتدال اور مداومت مطلوب ہے؛ لیکن جو حضرات جنت کے درجات عالیہ کے آرزومند ہیں ان کے لیے حکم ہے کہ وہ دین کے لیے ریاضات شاقہ، ہمہ تن اللہ کی عبادت اور کثرت سے روزہ وصدقہ کا اہتمام کریں، مگر یہ ان کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے، ہر شخص سے اس درجہ کی محنت مطلوب نہیں ہے؛ لیکن کسی شخص کو اس پر نکیر کرنے کا حق نہیں ہے؛ اس لیے کہ بقول علامہ لکھنوی رحمہ اللہ خیر القرون میں ایسے حضرات دس بیس نہیں، ہزاروں میں ہیں جن کی زندگیاں کثرت عبادت سے معمور تھیں؛ لہٰذا اس عمل پر نکیر کیسے کی جا سکتی ہے۔

پانچویں باب میں شبینہ کے شرعی حکم کی بابت ایک استفتاء ہے جس کا تفصیلی وتحقیقی

جواب علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے سپر دِ قرطاس فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہی شب میں قرآن پاک ختم کرنا مستحسن عمل ہے، صحابہ اور سلف صالحین سے ثابت ہے؛ لیکن اس میں چند مفاسد در آئی ہیں ان کی اصلاح ناگزیر ہے، جیسے: قرآن مجید غیر معمولی تیزی سے پڑھنا، شبینہ میں شریک ہونے والے مصلیوں کا دجمعی کے ساتھ نماز تراویح نہ پڑھنا وغیرہ۔

اس مفید اور اہم رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ احقر نے والد ماجد کی نگرانی میں کیا، ترجمہ کرتے وقت درج ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

(۱) اردو زبان عام فہم، شستہ اور سہل اختیار کی گئی ہے۔

(۲) لفظ بہ لفظ ترجمہ کے بجائے بامحاورہ ترجمہ کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ مضمون بہتر طور پر سمجھ آسکے، اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ مصنف کی کوئی بات چھوٹ نہ پائے۔

(۳) مصنف کے قائم کردہ عنوانات کے ساتھ تسہیل کے لیے مزید ذیلی عناوین بھی لگائے گئے ہیں۔

(۵) عربی اقتباسات کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ عربی اقتباس بھی نقل کیا گیا ہے؛ تاکہ اہل علم اس سے بخوبی استفادہ کرسکیں؛ لیکن جہاں طویل اقتباسات تھے وہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(٦) جو حوالے مصنف نے اصل کتاب میں درج کیے تھے انہی حوالوں پر قناعت کے بجائے دوبارہ ان کی جانب مراجعت کی گئی ہے، حوالہ دیتے وقت التزاماً ہر حدیث کا حدیث نمبر بھی تحریر کیا گیا ہے؛ البتہ جو کتابیں بندہ کو فراہم نہ ہوسکیں ان میں مصنف کے حوالہ ہی پر قناعت کرلی گئی ہے۔

جب ترجمہ مکمل ہوگیا تو اس کا مسودہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اس پر نظر ثانی فرمائی، اس کی نوک و پلک سنوارا، جابجا مفید مشورے دیے، پھر اخیر میں ایک گراں قدر تقریظ بھی عنایت فرمائی، اللہ آپ کی صحت میں عمر میں برکت عطا فرمائے

اور ہم برادران پر آپ کے سایہ کو تا دیر قائم ودائم فرمائے۔(آمین)

اسی طرح سلطان القلم حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد) اور حضرت مولانا مجیب الدین صاحب حسامی (استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد) کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر کتاب کے بعض حصوں کا مطالعہ فرمایا، اور اپنی گراں قدر تحریرات و تقریظات کے ذریعہ کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمایا اور اسے چار چاند لگا دیے، جزاہما اللہ خیرا۔

اخیر میں عرض یہ کہ کتاب کو بہتر سے بہتر بنانے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے، یہی مقصد پیش نظر رہا ہے کہ قارئین کے لیے استفادہ سہل اور آسان ثابت ہو، پھر بھی انسان غلطیوں کا پتلا ہے، اس کا کوئی کام صد فیصد صحیح اور درست نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا اگر کہیں قابلِ اشکال بات نظر آئے تو بندہ کی کوتاہی و کم علمی پر محمول کرتے ہوئے اطلاع بھی دیں؛ تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

محمد عبدالرحمن عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمۃ المؤلف

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں، ایسی شہادت جو ہمیں قیامت کے دن انبیائے کرام علیہم السلام، صالحین اور مجاہدین کی معیت عطا فرمائے، میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور رسول ہیں، آپ خاتم الانبیاء اور پوری کائنات کے لیے رحمت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روز حساب تک درو وسلام ہو اور آپ کی اولاد وصحابہ پر جو عبادت گزار اور زاہدین کے پیشوا ومقتدیٰ ہیں، اسی طرح ان کے نقش قدم پر چلنے والے، ائمہ مجتہدین، فقہاء، محدثین، صالحین اور اولیاء پر درو وسلام ہو، اللہ ان پر اور ہم تمام مسلمانوں پر نظر رحمت عنایت فرمائے۔ (آمین)

حمد وصلوۃ کے بعد، اپنے پروردگار سے معافی کا طلب گار بندہ ابوالحسنات محمد عبد الحی لکھنوی کہتا ہے: اللہ میری ظاہری وباطنی گناہوں کو معاف فرمائے، یہ ناچیز علم وفن کے آفتاب وماہتاب، محقق ومدقق، امام المعقول والمنقول مولانا حافظ عبدالحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا ہے، اللہ میرے والد ماجد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مجھ ناچیز (عبدالحی) پر اللہ کا فضل وانعام

اللہ کا مجھ ناچیز پر بڑا احسان ہے کہ جب میں نے جوانی کے دہلیز پر قدم رکھا اور میرے اندر سمجھ بوجھ پیدا ہوگئی تو اسی وقت سے اس رب کریم نے فن اسماء الرجال پر لکھی جانے والی کتابوں کے مطالعہ کی توفیق عنایت فرمائی؛ چنان چہ میں اصحاب فضل وکمال کی تصانیف سے خوب استفادہ کرتا تھا، میری تمنا اور خواہش ہے کہ اللہ مجھے بھی ان کے جیسے اخلاق وصفات کا حامل بنائے اور صراط مستقیم پر گامزن رکھے، کسی شاعر کا یہ شعر ہے:

أحبُّ الصالحين و لستُ منهم
لعل الله يهديني صلاحا

میں صالحین سے سچی محبت وشیفتگی اور تعلق رکھتا ہوں گو کہ میرا شمار ان میں نہیں ہوتا ہے؛ لیکن میں اللہ سے یہ آس وامید لگائے ہوا ہوں کہ وہ مجھے اس جذبہ کی بدولت اپنا مطیع وفرماں بردار بنائے۔

کیا عبادات میں تعمق اور سختی ممنوع ہے؟

میں (عبدالحیٔ لکھنوی) کتابوں میں ان سلف وخلف (لام کا فتحہ) صالحین کی عبادت وریاضت، ان کی احسانی کیفیت اور تعلق مع اللہ کو کثرت سے پڑھتا تھا جنھوں نے اللہ کی رضا جوئی وخوشنودی اور زیادتی ثواب کے لیے خود کو ہمہ تن عبادات بدنیہ میں مصروف رکھا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بزرگان دین صراط مستقیم پر ہیں، اور ضرور یہ عبادات ان کے درجات میں اضافہ کا ذریعہ ہوگا؛ لیکن جب میری علمی صلاحیت واستعداد پختہ ہوگئی اور خالق دوجہاں نے مجھے کتب احادیث پڑھنے اور تھوڑی بہت ان کے اسرار ورموز سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی تو میرے مطالعہ میں ایسی احادیث وروایات بھی آئی ہیں جن میں بندوں کو عبادات میں تعمق اور سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا ان صالحین اور اولیائے کرام کی عبادات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے، اگر جواب نفی میں ہے تو تطبیق کی کیا شکل ہوگی؟

میں (عبدالحی لکھنوی) اس موضوع سے متعلق احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور علمائے محققین کی کتابوں کا باریک بینی سے مطالعہ اور جان کاہ محنت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دین کا عمومی مزاج آسانی کا ہے، اسلام میں عبادات میں اعتدال اور مداومت مطلوب ہے؛ لیکن جو حضرات جنت کے درجات عالیہ کے آرزومند ہیں ان کے

لیے حکم یہ ہے کہ وہ دین کے لیے ریاضات شاقہ، ہمہ تن اللہ کی عبادت اور کثرت سے روزہ وصدقہ کا اہتمام کریں؛ مگر یہ ان کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے، ہر شخص سے انتہائی درجہ کی محنتیں مطلوب نہیں ہے۔

کتاب کی وجہ تالیف

اس کتاب کی تصنیف کا محرک یہ ہے کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عبادات میں جان کاہ محنت جیسے: پوری رات عبادت کرنا، ایک رکعت میں مکمل قرآن مجید پڑھنا، ایک ہزار رکعت نفل نماز ادا کرنا وغیرہ بدعت ہے؛ اس لیے کہ احادیث میں عبادات میں تشدد اور سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے، مجھے یہ بات سن کر بہت حیرت ہوئی کہ جن صحابہ کرام، تابعین عظام اور صالحین کی ریاضات شاقہ تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہیں، کیا ان کی یہ محنت اور جد و جہد رائیگاں ہوگئی ہیں؟ کیا وہ اپنے مقصد (حصول رضائے الہی) میں کامیاب نہیں تھے؟ کیا ان کو اہل بدعت میں شمار کیا جائے گا؟

میرا یہ خیال ہے کہ اس بات کا قائل ایسا شخص ہے جس کو علوم شرعیہ پر دست گاہ حاصل نہیں ہے، بس اس کی نصوص کے ظاہری الفاظ پر نظر ہے، تعجب ہے کہ اس نے یہ بات زبان پر لانے کی کیسے جرأت کی؟ کیا وہ بدعت کی تعریف سے بھی ناوقف ہے؟ کیا وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ بدعت کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو قرون ثلاثہ میں موجود نہ ہو اور اس کے جواز پر کوئی شرعی دلیل بھی ناطق نہ ہو؟ یہ چیز (ریاضات شاقہ) قرون ثلاثہ میں موجود تھی؛ بلکہ نصوص سے اس کا تو مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ہر طرف سے اس شخص کے خلاف آواز اٹھی اور اس کی زبردست تنقید کی گئی تو وہ کہنے لگا: یہ بات میری ایجاد کی ہوئی نہیں ہے، بعض معتبر علماء نے بھی اس (ریاضات شاقہ) کے بدعت ہونے کی صراحت کی ہے۔

میں (عبدالحی لکھنوی) کہتا ہوں: اگر یہ بات واقعہ کے مطابق ہے تو وہ معذور؛ بلکہ ماجور ہیں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ ان کے مطالعہ میں صرف وہی احادیث آئی ہوں جن

میں عبادات میں ریاضات شاقہ سے منع کیا گیا ہے، آخران کی بات کیسے قبول کی جائے گی جب کہ اکابر فقہاء اور محدثین عظام نے اس کے جواز کی صراحت کی ہے۔

اس زمانہ میں یہ بات پورے شد و مد کے ساتھ اٹھائی جارہی ہے کہ سلف صالحین سے جو کثرت عبادت منقول ہے وہ سنت نبویہ کے خلاف اور بدعت ہے، اسی پر ان جاہلوں نے بس نہیں کیا؛ بلکہ وہ برملا صالحین کے خلاف محاذ کھولے ہوئے ہیں، ان کی حرمت وتقدس کو پامال کر رہے ہیں اور ایسے قبیح اور گھٹیا الفاظ کہے جارہے ہیں کہ جسے سن کر کپکپی طاری ہوجاتی ہے، میں (عبدالحی لکھنوی) نے تقریر وتحریر میں اس بات کی سخت اور مدلل تردید کی اور نصوص کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ ان صالحین کی ریاضات شاقہ مقبول ہیں اور وہ ضرور عنداللہ ماجور ہوں گے۔

کتاب کی تالیف میں تاخیر کی وجہ

میں (عبدالحی لکھنوی) نے کئی مرتبہ یہ ارادہ کیا کہ اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ ایک کتاب لکھوں؛ لیکن یہ ارادہ ملتوی ہوتا رہا؛ کیوں کہ میں شرح وقایہ کی مبسوط اور مفصل شرح لکھنے میں مصروف تھا، جس میں میں نے شرح وقایہ میں بیان کیے گئے ہر مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال مع دلائل اور نصوص کی روشنی میں راجح مسئلہ کی تعیین کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے، اس عظیم الشان کام کی وجہ مجھے مذکورہ بالا موضوع پر لکھنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی؛ لیکن جب میرے مخلصین اہل علم حضرات نے بہت اصرار کیا اور مجھے اس موضوع پر لکھنے کی طرف مسلسل توجہ دلاتے رہے تو میں نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا اور السعایہ (شرح وقایہ کی شرح) کی تالیف کے اوقات میں سے ایک دو گھنٹے اس رسالہ کی تصنیف کے لئے مختص کیا، اس رسالہ میں ہر بات کو مدلل ومبرہن اور متبحر علماء کی عبارات کو بھی ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور میں نے اس رسالہ کا نام " إقامة الحجة علی أن الإکثار فی التعبد لیس ببدعة " (دین کے لیے ریاضات شاقہ برداشت کرنا محبوب اور پسندیدہ عمل ہے) رکھا ہے۔

قارئین سے التماس

میری قارئین سے التماس ہے کہ اس رسالہ کے مشمولات کا اچھی طرح مطالعہ کریں، اگر کسی بات سے اختلاف ہو تو اس کی تردید نصوص کی روشنی میں مدلل کریں؛ تا کہ اس کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جن کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

حسدوا الْفَتی إِذْ لم ينالوا
سَعْيه فالقوم أَعدَاء لَهُ و خصوم
كضرائر الحَسْنَاء قُلْنَ لوجهها
حسدا و بغضا إِنَّه لدميم

(ثمار القلوب ۱/ ۳۵۰)

وہ اس نوجوان سے حسد کرتے ہیں؛ کیوں کہ انہیں اس کی جیسی خوبی اور نعمتیں میسر نہیں ہیں، پس لوگ اس کے دشمن اور مخالف ہو گئے۔

جیسے حسین وخوبصورت نوخیز لڑکیاں حسد اور نفرت وبغض میں چاند کو دیکھ کر کہتی ہیں کہ وہ انتہائی بدصورت ہے۔

میں اللہ سے دست بدعا ہوں کہ وہ اس رسالہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مجھے سہو ونسیان اور لغزشوں سے محفوظ اور حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب کے مباحث پر ایک نظر

اس رسالہ میں پانچ مباحث ہیں:

پہلی بحث: صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے جو کام کیا ہے یا ان کے دور مسعود میں کوئی کام ہوا اور کسی معتبر عالم سے اس پر نکیر کرنا ثابت نہ ہو تو اس کو خلاف سنت اور بدعت نہیں کہا جائے گا۔

دوسری بحث: قرون ثلاثہ میں ایک جماعت نے دین کے لیے ریاضات شاقہ بھی برداشت کیا ہے، اس کی کئی مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

تیسری بحث: عبادات میں طاقت وقدرت اور توانائی کے بقدر جدوجہد کرنا بدعت نہیں ہے۔

چوتھی بحث: جب احادیث میں دین کے لیے ریاضات شاقہ برداشت کرنے سے منع کیا گیا ہے تو سلف صالحین نے دین کے لیے ریاضات شاقہ کیوں برداشت کیا ہے؟ اس کا تفصیلی اور مدلل جواب دیا گیا ہے۔

پانچویں بحث: تراویح میں ایک ہی شب میں قرآن مجید مکمل پڑھنا، جیسا کہ ہمارے اسلاف سے منقول ہے، آخرت میں یہ ضرور رفع درجات اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔

☆☆☆☆☆

پہلا باب

خیر القرون میں پائے جانے والے افعال کا حکم

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے جو کام کیے ہیں یا ان کے دور میں جو کام ہوا ہے اور کسی ثقہ عالم سے اس پر نکیر کرنا ثابت نہ ہو تو وہ بدعت نہیں ہے۔

فروعی مسائل میں اختلاف موجب ضلالت نہیں ہے

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد کی شرح الھیات میں لکھتے ہیں:

محقق و متبحر علماء چاہے وہ ماتریدی ہوں یا اشعری ہوں، کسی بھی عالم سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ اس نے (ماتریدی یا اشعری ہونے کی وجہ سے) مخالف کے کسی عمل کو بدعت و گمراہی قرار دیا ہو؛ لیکن متعصب اور گمراہ فرقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اصولی؛ حتی کہ فروعی مسائل میں بھی اختلاف کو موجب ضلالت قرار دیا ہے، جیسے یہ فروعی مسائل:

(۱) اگر کسی جانور کے ذبح کے وقت بالقصد بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھا جائے اور کوئی شخص اس کے باوجود اس جانور کو حلال سمجھے تو اہل حق اس شخص کو محض اس بات کی وجہ سے بدعتی اور گمراہ نہیں سمجھتے ہیں، جب کہ فرق باطلہ اس کو گمراہ سمجھتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی شخص سبیلین کے علاوہ کسی دوسرے مقام سے ناپاک چیز جیسے: خون، پیپ وغیرہ نکلنے کے باوجود وضو کے عدم بطلان کا قائل ہو تو اہل حق اس شخص کو محض اس بات کی وجہ سے گمراہ نہیں سمجھتے ہیں؛ جب کہ گمراہ فرقے اس کو اہل بدعت میں شمار کرتے ہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص ولی (سرپرست) کے بغیر نابالغ لڑکا یا لڑکی کے نکاح کرنے کو جائز قرار دے تو اہل حق اس شخص کو ضال نہیں سمجھتے ہیں؛ جب کہ گمراہ فرقے اس کو گمراہ سمجھتے ہیں۔

(۴) اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کے فاسد نہ ہونے کا قائل ہو تو گمراہ فرقے اس کو اہل بدعت میں شمار کرتے ہیں۔

ان فرق باطلہ کو معلوم ہی نہیں ہے کہ بدعت کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو

قرون ثلاثہ میں موجود نہ ہو اور کوئی شرعی دلیل بھی اس کے جواز پر ناطق نہ ہو، ان گمراہ فرقوں میں بعض جاہل اور احمق تو ہر اس چیز کو بدعت کہتے ہیں جو صحابہ کرام کے زمانہ میں موجود نہیں تھی، چاہے اس کے قبیح اور مذموم ہونے پر دلیل ہو یا نہ ہو اور دلیل میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

وَإِيَّاكُمْ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ۔ (امالی ابن بشران ۱/۴۵)

حالاں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو ضروری اور دین کا حصہ سمجھا جائے جن کے ضروری اور دین کا جز ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ (۲/۲۷۱)

بدعت کی تعریف

دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا، جس کی اصل کتاب وسنت سے نہ ہو، اور جو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد ہوا ہو، اور نبی پاک ﷺ سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو، نہ قولا، نہ فعلا، نہ اصراحۃ، نہ اشارۃ، اور اس کو دین یا ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔

بدعت کی قسمیں

یعقوب بن سید علی رومی رحمۃ اللہ علیہ مفتاح الجنان شرح شرعۃ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

بدعت حسنہ یہ ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کیا جائے جو علوم شرعیہ (قرآن وحدیث) کو سمجھنے اور اصلاح نفس میں مدد ومعاون ثابت ہو، جیسے علوم آلیہ: نحو، منطق، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم وتعلم، مدارس وخانقاہوں کی تعمیر وغیرہ۔

بدعت سیئہ یہ ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد دین میں ایسی نئی چیز ایجاد کی جائے جو صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے منہج اور طریقے کے خلاف ہو، اگر بالفرض ان کی موجودگی میں وہ چیز ایجاد کی جاتی تو وہ ضرور اس پر نکیر کرتے۔ (ص:۹)

احادیث میں بدعت شرعیہ کی ممانعت ہے

فاضل رومی رحمۃ اللہ علیہ مجالس الابرار میں لکھتے ہیں کہ

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعت لغویہ، اس کا اطلاق ہر نئی چیز پر ہوتا ہے، چاہے وہ عبادات کے قبیل سے ہو یا عادات کے قبیل سے ہو۔

(۲) بدعت شرعیہ، یعنی صحابہ کرام کے بعد دین میں ایسی چیز کا ایجاد کرنا جس کا جائز ہونا کسی شرعی دلیل (کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت اور قیاس) کے اشارۃ النص سے بھی معلوم نہ ہو، جن احادیث میں بدعت کی مذمت اور اس کی قباحت وشناعت کو بیان کیا گیا ہے اس سے مراد یہی بدعت شرعیہ ہے۔(۲۳۰)

بدعت کے سلسلہ میں صحابہ کرام کا طرز عمل

احادیث میں جو یہ حکم ہے کہ سنت کو مضبوطی سے تھاما جائے، اس (سنت) سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو مشہود لہا بالخیر یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں کسی شکل میں موجود ہو؛ لہٰذا جو چیزیں اس دور مسعود کے بعد ایجاد کی جائیں گی وہ بدعت ہوں گی، اس سے اجتناب بے حد ضروری ہے، صحابہ کرام دین میں کسی بھی نئی چیز کے ایجاد کرنے کے سخت مخالف تھے، اس کو کسی قیمت برداشت نہیں کرتے تھے، اس پر پوری شدت اور سختی سے نکیر کرتے تھے۔(شرعۃ الاسلام، ص:۹)

معرفت بدعت کا معیار

فاضل رومی رحمۃ اللہ علیہ مجالس الابرار میں لکھتے ہیں کہ

جو چیزیں صحابہ کرام کے بعد وجود میں آئی ہیں اگر ان کے بدعت ہونے پر معتد بہ جماعت کا اتفاق ہو جائے تو اس صورت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ لوگ اللہ کے مقرب اور محبوب بندے ہیں یا نہیں؟ ان کا اسلامی تعلیمات اور سنتوں پر عمل ہے یا نہیں؟ ان کے اعمال صحابہ کرام سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہرگز

اس کے بدعت ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے اور اگر جواب مثبت ہے تو اس کے بدعت ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؛ اس لیے کہ ایسے حضرات ہی اللہ کے مقرب بندے اور دین کے اصلی ترجمان ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

جب دین میں کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا بدعت و گمراہی ہے تو فقہائے کرام نے بعض بدعت کو مستحب؛ حتی کہ بعض کو واجب کیوں قرار دیا ہے، چنان چہ وہ کبھی بدعت کو مباح کہتے ہیں اور مثال میں چھلنی کا استعمال، کھانے میں بالعموم روٹی کو غذا بنانا، شکم سیر ہو کر کھانا وغیرہ پیش کرتے ہیں، کبھی وہ بدعت کو مستحب کہتے ہیں، جیسے: مدارس اور فلک بوس منارہ کی تعمیر، تصنیف و تالیف وغیرہ، کبھی وہ بدعت کو واجب قرار دیتے ہیں، جیسے: فرق باطلہ کے اعتراضات کا مدلل جواب اور عوام الناس کو ان کی اعتقادی گمراہیوں سے روشناس کرانا وغیرہ۔

اشکال کا حاصل یہ ہے کہ جب احادیث میں بدعت کی سخت مذمت اور اس کی قباحت و شناعت بیان کی گئی ہے تو آخر فقہائے کرام بعض بدعت کو مستحب؛ حتی کہ واجب کیوں قرار دیتے ہیں؟

علامہ آفندی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: بدعت لغوی، اس کا اطلاق ہر نئی چیز پر ہوتا ہے، چاہے وہ عبادات کے قبیل سے ہو یا عادات کے قبیل سے ہو؛ اس لیے کہ یہ (بدعت) ابتداع سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہیں: نئی چیز ایجاد کرنا، جیسے: " رفعة " ارتفاع (بلند ہونا) سے مشتق ہے اور "خلفة " اختلاف (اختلاف کرنا، کسی بات پر بحث و مباحثہ کرنا) سے مشتق ہے، فقہائے کرام سے جو یہ منقول ہے کہ یہ بدعت مباح یا مستحب ہے، اس سے یہی قسم بدعت لغوی مراد ہوتی ہے۔

دوسری قسم: بدعت شرعی، اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو صحابہ کرام کے دور کے بعد دین میں ایجاد کی گئی ہیں اور اس کی اجازت ثابت نہ ہو، نہ قولا، نہ فعلا، نہ صراحۃ، نہ اشارۃ؛ لٰہذا جو امور عادات کے قبیل سے ہیں وہ اس تعریف کے لحاظ سے بدعت نہیں ہوں گی، چاہے وہ دور مسعود میں موجود ہو یا نہ ہو، اور جن احادیث میں بدعت کی مذمت اور اس سے اجتناب کی تاکید آئی ہے اس سے یہی قسم مراد ہے، یہاں تین احادیث نقل کی جاتی ہیں جن میں سنت کو مضبوطی سے تھامنے اور بدعات ورسومات سے اجتناب کی تاکید آئی ہے:

(۱)فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ. (شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر:۱۱۸۶)

تم میری اور خلفائے راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامو۔

(۲)أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُم. (مسلم، حدیث نمبر:۱۴۱)

تم اپنے دنیوی معاملات کو زیادہ جانتے ہو۔(لٰہذا ان میں جو تمہاری رائے ہو اس پر عمل کرلیا کرو۔)

(۳)مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ، فَهُوَ رَدٌّ.

(بخاری شریف، حدیث نمبر:۲۶۹۷)

جو شخص دین اسلام میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے گا وہ مردود ہے۔

دور صحابہ میں وجود میں آنے والے افعال کا حکم

خواجہ زادہ رحمۃ اللہ علیہ الطریقۃ المحمدیۃ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

علماء نے بدعت کی تعریف میں "بعد الصحابۃ" کی قید لگائی گئی ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو چیزیں صحابہ کرام کے دور میں موجود تھیں وہ بدعت نہیں ہیں؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ صحابہ کرام کی سنت کو بھی مضبوطی

سے تھامنے کی تاکید کی ہے۔

ابو الحسنات مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تھیں اور آپ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی وہ بالاتفاق بدعت نہیں ہیں، اور جو چیزیں عہد نبوت میں نہیں تھیں؛ بلکہ عہد نبوت کے بعد وجود میں آئی ہیں اور وہ عادات کے قبیل سے ہوں تو وہ بدعت نہیں ہیں، ہاں اگر کسی شرعی دلیل سے کسی طبعی چیز کا ناجائز ہونا معلوم ہو تو وہ بدعت ہوگی۔

اور اگر عہد نبوت کے بعد وجود میں آنے والے افعال عبادات کے قبیل سے ہوں تو اس کی چند صورتیں ہیں:

(۱) وہ افعال تمام یا چند صحابہ نے انجام دیا ہے یا ان کی موجودگی میں کوئی کام ہوا اور انہوں نے اس پر نکیر نہیں کی۔

(۲) وہ افعال تابعین کے دور میں وجود میں آئے ہوں۔

(۳) وہ افعال تبع تابعین کے دور میں وجود میں آئے ہوں۔

(۴) وہ افعال تبع تابعین کے دور کے بعد وجود میں آئے ہوں۔

وہ افعال جو صحابہ کے دور میں وجود میں آئے اور انہوں نے ان پر نکیر فرمائی

جو افعال صحابہ کرام کے دور میں وجود میں آئے ہیں اور انہوں نے ان پر نکیر نہیں کی ہیں تو وہ بدعت شرعی نہیں ہے اور اگر انہوں نے نکیر کی ہیں تو وہ بلاشبہ بدعت ہیں، ذیل میں ان افعال کی دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں کہ جن پر صحابہ نے نکیر کی ہیں:

پہلی مثال: عیدین میں نماز کی ادائیگی سے پہلے خطبہ دینا

مروان بن حکم نے عیدین میں نماز کی ادائیگی سے پہلے خطبہ دیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر کی اور اس کو خلاف سنت قرار دیا، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ

میں پہلے نماز پڑھاتے تھے، نماز کے بعد لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے اور آپ ﷺ کھڑے ہوکر تقریر کرتے، جس میں لوگوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب، تعلق مع اللہ اور منکرات سے اجتناب کی تاکید فرماتے، یہی سلسلہ (عیدین میں نماز کے بعد خطبہ) سالوں تک چلتا رہا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں مدینہ منورہ کے حاکم مروان اور میں دونوں ایک ساتھ گھر سے عید گاہ کے لیے نکلے، جب ہم دونوں عید گاہ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں منبر بنا ہوا ہے جس کو کثیر بن صلت نے بنایا تھا، مروان نے عید کی نماز سے پہلے تقریر کے لیے منبر پر جانے لگا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا کہ پہلے نماز پڑھاؤ؛ لیکن مروان نے آپ کی بات نہیں مانی اور منبر پر چلا گیا اور اس نے نماز سے پہلے خطبہ دے دیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تمہارا یہ عمل خلاف سنت ہے، مروان نے کہا: وہ دور ختم ہوگیا جس کو تم جانتے ہو، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس بارے میں آپ ﷺ کے عمل کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، مروان کہنے لگا: کیا کریں، لوگ نماز کے بعد فوراً اپنے گھر روانہ ہو جاتے ہیں؛ اس لیے میں نے نماز سے پہلے خطبہ کردیا ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۹۵۶)(۱)

دوسری مثال: جمعہ میں خطبہ کے دوران دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا

جمعہ میں خطبہ کے دوران بشر بن مروان نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا، حضرت

---

(۱) نبی پاک ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے دور میں عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہوا کرتا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کردیا اور آپ کے بعد مروان بن حکم نے بھی ایسا ہی کیا؛ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خطبہ عیدین حسن نیت کے ساتھ مقدم فرمایا، یہ سوچ کر کہ لوگ زیادہ سے زیادہ نماز میں شریک ہوسکیں، جب کہ مروان نے خبث نیت کے ساتھ ایسا کیا، وہ خطبہ میں برسرِ منبر مغلظات بکتا تھا، اگر خطبہ نماز کے بعد دیتا تو لوگ نہ رکتے، لہٰذا اس نے خطبہ مقدم کردیا؛ تاکہ لوگ مجبوراً خطبہ سنیں۔ (از مترجم)

عمارہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خلاف سنت قرار دیا، چنان چہ مسلم شریف میں ہے:

عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُؤَيْبَةَ، قَالَ: رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ، فَقَالَ: قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هَكَذَا، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ. (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۵۳)

حصین بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمارہ بن رؤیبہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ خطبہ کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا ہے، حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے نئی چیز ایجاد کی، اس کا ستیاناس ہو، پھر آپ نے فرمایا: میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ کے دوران صرف اتنی بات دیکھی ہے؛ یعنی آپ صرف شہادت والی انگلی حرکت دیتے تھے۔

وہ افعال جو صحابہ کے دور میں وجود میں آئے اور انہوں نے ان پر نکیر نہیں فرمائی

یہ دو مثالیں ان افعال کی تھیں جو صحابہ کرام کے دور میں وجود میں آئے ہیں اور صحابہ نے ان پر نکیر کی ہیں، اب ذیل میں ان افعال کی چند مثالیں بیان کی جارہی ہیں جو صحابہ کرام کے دور میں وجود میں آئے ہیں اور صحابہ نے ان پر نکیر نہیں کی؛ بلکہ صراحۃ یا دلالۃ رضا مندی کا اظہار کیا ہے، اور جن فقہائے کرام نے اس کو بدعت کہا ہے، ان کی اس سے مراد بدعت حسنہ ہے۔

پہلی مثال: جمعہ کے دن پہلی اذان

بخاری شریف میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے:

كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى

الْمِنْبَرِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا. فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: الزَّوْرَاءُ: مَوْضِعٌ بِالسُّوقِ بِالْمَدِينَةِ. (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۹۱۲)

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے دور میں جمعہ کے دن ایک ہی اذان اس وقت دی جاتی تھی جب امام خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا؛ لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور مسلمانوں کی کافی آبادی ہوگئی تو آپ نے (صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد) مؤذن کو زوراء (مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے قریب ایک جگہ کا نام ہے) پر تیسری اذان دینے کا حکم دیا۔ (جو آج کل خطبہ سے آدھا گھنٹہ قبل دی جاتی ہے، یہاں یہی اذان مراد ہے۔)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

إنما جعل ثالثا، لأن الإقامة أيضا تسمى أذانهم.

اس اضافہ شدہ اذان کو تیسری اذان اس لیے کہا گیا ہے کہ اقامت بھی اذان ہے۔

دوسری مثال: ایک ہی شہر میں متعدد مقامات میں عید کی نماز کا اہتمام کیا جانا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں کہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے دور میں شہر میں ایک ہی مرتبہ جمعہ اور عیدین کی نماز ادا کی جاتی تھی؛ لیکن

جب حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین بنائے گئے تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ شہر میں کمزور اور بیمار لوگوں کی ایک معتد بہ جماعت ہے ان کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد میں پہونچنے میں کافی دشواری ہوتی ہے، کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان کمزور لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھانے کے لیے ایک شخص کو مقرر کر دیتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ (۳/ ۲۰۴)

جماعت ثانیہ کے لیے اذان اور اقامت دینے کا حکم

مسجد میں ایک مرتبہ جماعت سے نماز ادا کی جا چکی ہے، پھر چند لوگ اسی مسجد میں آئے اور باجماعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، تو کیا اس جماعت کے لیے اذان اور اقامت دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی بابت علمائے کرام سے تین اقوال منقول ہیں:

(۱) جماعت ثانیہ کے لیے اذان اور اقامت دونوں دی جائے گی۔

(۲) جماعت ثانیہ کے لیے اذان دی جائے گی، اقامت نہیں دی جائے گی۔

(۳) جماعت ثانیہ کے لیے اذان اور اقامت دونوں نہیں دی جائے گی۔

یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ کنز کی شروحات اور در مختار کے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے۔(۱)

---

(۱) علامہ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب (اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ) کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

مجھے تلاش بسیار کے بعد اس مسئلہ کی وضاحت فقہائے احناف کی کتابیں بشمول البحر الرائق، شامی اور فتاوی ہندیہ میں نہیں ملی ہے؛ البتہ علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ کی مبسوط اور مفصل شرح السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ میں باب الآذان میں شرح وقایہ کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، پہلے شرح وقایہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے، پھر علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت کی شرح میں جو بات لکھی ہے اس کو ذکر کیا جائے گا۔

ویأتی بهما المسافر والمصلی فی مسجد جماعة. (شرح وقایہ ۱/ ۱۳۶)

مسافر اذان اور اقامت دونوں کہے گا، اسی طرح مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنے والے بھی دونوں کہیں گے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

جماعت ثانیہ کے لیے اذان اور اقامت دینا بدعت نہیں ہے

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت ثانیہ کے لیے اذان اور اقامت دینا بدعت ہے، یہ بات غلط ہے؛ اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں یہ حدیث تعلیقا ذکر کی ہے:

وَجَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ، فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى جَمَاعَةً. (باب فضل صلاۃ الجماعۃ ۱/۱۳۱)

چند لوگ مسجد میں نماز کے بعد پہونچے، ان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، چناں چہ ان میں سے کسی نے اذان اور اقامت دی اور سب نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اوصله أبو يعلى فى مسنده، وقال: وقت صلاة الصبح وفى فى رواية البيهقى أنه مسجد بنى رفاعة. وقال البيهقى فى روايته جاء أنس فى عشرين من فتيانه. (ارشاد الساری ۲/۲۶)

اس حدیث کو ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے متصلا بیان کیا ہے، نیز اس حدیث میں اس بات کا اضافہ ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اس مسجد کا نام مسجد رفاعہ ہے، امام

(گزشتہ صفحہ کا) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ
صاحب شرح وقایہ نے ابھی جو مسئلہ بیان کیا ہے اس سے دو صورتیں مستثنی ہیں:
پہلی صورت: جب مسجد میں با جماعت نماز ادا کی جائے تو اس کے لئے اذان نہیں دی جائے گی۔
دوسری صورت: جب مسجد میں ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے اور کوئی مسجد میں تنہا نماز پڑھے تو وہ اذان و اقامت نہیں دے گا۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت میں ہے: اس جماعت میں بیس نوجوان تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت ثانیہ کے لیے اذان اور اقامت دینا بدعت نہیں ہے، میں نے اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ شرح وقایہ کی شرح السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ میں بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔(۱)

تیسری مثال: لوگوں کو وعظ ونصیحت، اور سابقہ اقوام کے واقعات بتانا

تقی الدین احمد بن علی مقریزی مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " المواعظ و الاعتبار بذکر الخطط والآثار " میں حضرت عمر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

حضرت عمر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کب سے لوگوں میں واقعات کو بیان کرنے کا رواج ہوا؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں میں واقعات کو بیان کرنے اور سننے کا رواج ہوا ہے، پھر اس نے پوچھا: آپ اس شخص کا نام بتائیں جس کو اس باب میں اولیت حاصل ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صحابی رسول حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (۱۹۹/۳)

حضرت عمر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس صحابی نے مسجد نبوی وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا وہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ہیں، آپ نے حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کی اجازت لی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے

---

(۱) علامہ عبد الفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب (اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ) کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر چہ اپنی زندگی میں شرح وقایہ کی شرح لکھنا شروع کر دیا تھا؛ لیکن یہ بحث فقہی کتابوں میں جہاں آتی ہے اس سے پہلے ہی آپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

آخری ایام میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی تھی اور کہا کہ تم جمعہ کے دن مسجد نبوی میں میرے آنے سے قبل وعظ کہو، لوگوں کو سابقہ اقوام کے واقعات بتاؤ، جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اجازت لی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی رغبت اور دلچسپی کو دیکھ کر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو ہفتہ میں دو دن وعظ وارشاد کا حکم دیا۔ (حوالہ سابق)

چوتھی مثال: صلوۃ تراویح کے لیے مسجد میں جمع ہونا

رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جمع ہونا سنت ہے، یہ سنت امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وجود میں آئی ہے، آپ ہی نے اس کے بارے میں کہا تھا:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ۔ (مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۳)

یہ بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا عمل کو لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا ہے، نیز آپ نے اس عمل کو اچھی بدعت کہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نئی چیز بدعت و گمراہی نہیں ہوتی ہے، اور یہ بدعت شرعی نہیں ہے، آخر کیسے بدعت شرعی ہوگی؟ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو اچھی بدعت کہہ رہے ہیں۔

پانچویں مثال: وتر میں دعاء قنوت سے قبل تکبیر اور دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا حکم

بعض احناف نے اس کو واجب قرار دیا ہے اور یہی بات مشہور بھی ہے؛ لیکن محققین احناف ان (تکبیر اور رفع یدین) کے عدم وجوب کے قائل ہیں، چناں چہ صاحب بحر لکھتے ہیں:

وَجَزَمَ الشَّارِحُ بِوُجُوبِ السُّجُودِ بِتَرْكِهَا (تکبیر القنوت)وَيَنْبَغِي تَرْجِيحُ عَدَمِ الْوُجُوبِ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ

وَلَا دَلِيلَ عَلَيْهِ بِخِلَافِ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ فَإِنَّ دَلِيلَ الْوُجُوبِ الْمُوَاظَبَةُ مَعَ قَوْلِه تَعَالَى {وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ}.(البحر ۲ / ۱۰۳)

شارح کنز امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی ہے کہ دعاء قنوت سے قبل تکبیر نہ کہنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا، (صاحب بحر کہتے ہیں:) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو واجب نہ کہا جائے؛ اس لیے کہ اس کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے؛ البتہ عیدین میں زائد تکبیرات واجب ہیں؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر مواظبت کرنا ثابت ہے، اور آیت "واذکروا اللہ فی أیام معدودات" (البقرۃ، ۲۰۳) کا بھی تقاضہ ہے کہ عیدین میں زائد تکبیرات واجب ہوں؛ اس لیے کہ "واذکروا" فعل امر ہے، اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

رفع اليدين عند تكبير القنوت ليس بواجب، كرفع اليدين عند تكبير الافتتاح. فلا يجب السهو بتركه.(۱)

وتر میں دعاء قنوت پڑھنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا اٹھانا واجب نہیں ہے؛ جیسا کہ نماز شروع کرنے سے قبل دونوں ہاتھوں کا اٹھانا واجب نہیں ہے۔

---

(۱) علامہ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مجھے فتاوی قاضی خان میں مذکورہ بالا عبارت نہیں ملی ہے۔

بعض علماء نے اس مسئلہ میں بہت غلو اور افراط سے کام لیا ہے، اور انہوں نے ان دونوں (دعاء قنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین) کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت قرار دیا، یہ بات صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اگرچہ ثابت نہیں ہیں؛ لیکن بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے دعاء قنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین کیا ہے؛ لہٰذا یہ بدعت نہیں ہوگی؛ بلکہ سنت یا مستحب ہوگی۔

کسی نے مجھ (عبدالحی لکھنوی) سے سنہ ۱۲۸۸ھ میں اس مسئلہ کے بارے میں سوال نامہ ارسال کیا تھا، یہاں سوال اور جواب دونوں کو نقل کیا جاتا ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں:

زید کہتا ہے کہ وتر میں دعاء قنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین بدعت سیئہ ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ چیز ثابت نہیں ہے اور یہی بات ہمارے شہر میں مشہور بھی ہے، آپ بتائیں کہ زید کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ دعاء قنوت سے پہلے تکبیر اور رفع یدین سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب و باللہ التوفیق: یہ بات صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعاء قنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔صاحب ہدایہ نے دلیل کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو یہ ارشاد نقل کیا ہے:

لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ: تَكْبِيرَةُ الِافْتِتَاحِ، وَتَكْبِيرَةُ الْقُنُوتِ وَتَكْبِيرَاتُ الْعِيدَيْنِ، وَالْأَرْبَعِ فِي الْحَجِّ. (ہدایہ ۱/ ۲۱۸)

رفع یدین صرف سات مقامات میں کیا جائے: (۱) نماز کے لیے ہاتھ باندھتے وقت (۲) وتر میں دعاء قنوت پڑھنے سے پہلے (۳) عیدین کی تکبیرات میں اور (۴،۵،۶،۷) حج میں چار مقامات میں رفع یدین کیا جائے۔

اس پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نقد کیا ہے اور باب صفۃ الصلاۃ میں اس روایت کی متعدد سندوں سے تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فانظر فی روایاتھم ھل تجد فیھا ذکر رفع الیدین عند القنوت، وإنما یوجد ھذا عند أصحابنا فی کتبھم،منھم المصنف.(بنایہ ۲/۲۵۴)

مذکورہ بالا حدیث کی کسی سند میں اس بات کا ذکر نہیں ملتا ہے کہ کہ وتر میں دعاءقنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین کیا جائے، اللہ جانے احناف نے اپنی کتابوں میں کس حدیث کی بنیاد پر اس بات (دعاءقنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین) کو لکھ دیا ہے۔

اسی طرح آپ باب الوتر میں لکھتے ہیں:

قد ذکرنا فی باب صفۃ الصلاۃ أنہ لیس فی الحدیث ذکر القنوت فیما رواہ البخاری والبزار والطبرانی.
(بنایہ ۲/ ۴۹۳)

میں (علامہ عینی) باب صفۃ الصلاۃ میں بیان کر چکا ہوں کہ کسی بھی حدیث میں دعاءقنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر اور رفع یدین کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

فقہ حنفی میں کچھ ایسے مسائل ہیں جن کی تائید نصوص سے نہیں ہوتی ہے

علامہ معین سندی (متوفی:۱۱۶۱ھ) اپنی کتاب دراسات اللبیب فی الحسنۃ بالحبیب میں لکھتے ہیں کہ

فقہ حنفی میں بعض مسائل ایسے بیان کیے گئے ہیں جن کی تائید نصوص سے نہیں ہوتی ہے، من جملہ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے: احناف کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ وتر میں دعاءقنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر کہنا واجب ہے، اس مسئلہ کا ذکر کسی مرفوع

حدیث میں نہیں ملتا ہے، چہ جائے کہ کسی حدیث میں اس بات کا ذکر ہو کہ آپ ﷺ نے یہ عمل مواظبت اور پابندی کے ساتھ کیا ہے، اس کے باوجود میرا (شیخ معین) محض اکابر احناف سے حسن ظن کی بنا پر وتر میں دعاء قنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین کرنے کا معمول ہے؛ لیکن اس کو ضروری نہیں سمجھتا ہوں، اسی طرح یہ مسئلہ بھی کہ دعائے قنوت پڑھنے کے ارادہ سے جو تکبیر کہی گئی ہے، اس میں ہاتھ کا اٹھانا بھی واجب ہے، یہ بھی میری معلومات کی حد تک یہ کسی صحابی حتی کہ کسی جلیل القدر تابعی سے بھی منقول نہیں ہے۔ (ص:۴۰۸)

شیخ معین رحمۃ اللہ علیہ دراسات اللبیب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپ وتر میں دعاء قنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (حدیث نمبر:۶۹۵۴)

اسی طرح اس کتاب میں حضرت عبد الرحمن بن اسود رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ وتر میں دعاء قنوت پڑھنے سے پہلے صرف تکبیر کہتے تھے، رفع یدین نہیں کرتے۔ (حدیث نمبر:۶۹۴۸)

(دیکھیے، دراسات اللبیب، ص:۴۲)

علامہ معین سندی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ دعاء قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا کسی صحابی حتی کہ کسی جلیل القدر تابعی سے سے بھی منقول نہیں ہے اور بعض حضرات نے یہی بات دعاء قنوت سے پہلے تکبیر کے بارے میں بھی کہی ہے کہ یہ بھی صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے، علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں بات کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار میں یہ روایت نقل کی گئی ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ الْقُنُوتَ فِي الْوِتْرِ وَاجِبٌ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ. (الآثار لمحمد ا/۵۷۹)

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وتر میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے اور دعاء قنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر کہنا چاہیے۔

نیز امام علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الآثار میں امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے یہ اثر نقل کیا ہے:

تُرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ: فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ, وَفِي التَّكْبِيرِ لِلْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ, وَفِي الْعِيدَيْنِ, وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ, وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ, وَبِجُمْعٍ وَعَرَفَاتٍ, وَعِنْدَ الْمَقَامَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ.

(شرح معانی الآثار ۲ / ۱۷۸)

سات مقامات میں رفع یدین کیا جائے:

(۱) جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو اس وقت تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جائے۔

(۲) وتر میں دعاء قنوت سے قبل تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین کیا جائے۔

(۳) عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین کیا جائے۔

(۴) حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت رفع یدین کیا جائے۔

(۵) صفا اور مروہ پر رفع یدین کیا جائے۔

(۶) دونوں وقوف یعنی مزدلفہ اور عرفہ میں رفع یدین کیا جائے۔

(۷) حج میں دونوں جمرہ کے پاس رفع یدین کیا جائے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ہدایہ کی شرح بنایہ میں امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ بات منقول ہے

کہ وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر کہی جائے، اس کا ذکر کسی مرفوع حدیث میں نہیں ملتا ہے اور یہ بات قیاس کے ذریعہ بھی معلوم نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابونصر اقطع رحمۃ اللہ علیہ شرح مختصر القدوری میں لکھتے ہیں کہ امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ (وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر کہنا) علی، ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے اور قیاس کا بھی تقاضہ ہے کہ دعاء قنوت سے قبل تکبیر کہنی چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نقل کیا ہے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وتر میں قراءت کے بعد تکبیر کہتے پھر دعاء قنوت پڑھتے۔(بنایہ ۲/ ۴۹۲)

حضرت ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں:

رفع تكبير القنوت مروى عن عمر وعلى وابن مسعود وابن عباس وابن عمر والبراء بن عازب رضى الله عنهم، وكذا رفع تكبيرات العيدين مروى عن عمر رضى الله عنه.(۲/ ۱۸۵)

عمر بن خطاب، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے وتر میں دعاءِ قنوت سے قبل تکبیر اور رفع یدین کرنا منقول ہے، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عیدین کی تکبیرات میں بھی رفع یدین کرنا منقول ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنے سے پہلے تکبیر اور رفع یدین یہ دونوں عمل اگر چہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے؛ لیکن یہ بعض صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے؛ لہٰذا شیخ معین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ کسی صحابی سے دعاءِ قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا منقول نہیں ہے، صحیح نہیں ہے، اسی طرح بعض حضرات کا یہ کہنا کہ دعاءِ قنوت سے

پہلے تکبیر کہنا بھی کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، واقعہ کے خلاف ہے، ہاں ان دونوں عمل کو واجب قرار دینا محل نظر ہے؛ اس لیے کہ ان کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص یہ دونوں عمل صحابہ کرام اور تابعین کی اقتدا میں کرے تو اس کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص یہ دونوں عمل نہ کرے تو وہ نہ گنہگار ہوگا اور نہ اس کی ملامت کی جائے گی۔

بعض امور جن کو کسی صحابی نے بدعت کہا

حدیث کی کتابوں میں ایسے واقعات منقول ہیں کہ کسی صحابی نے کوئی نئی بات دیکھی، اور اسے بدعت قرار دے دیا، تو اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ نکیر کا پہلو قولا یا عملا ظاہر ہوتا ہے یا تحسین کا پہلو، اگر نکیر کا پہلو ظاہر ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک وہ فعل قبیح ہے، (ماقبل میں اس کی مثالیں ذکر کی جا چکی ہیں) اور اگر ان کے قول وعمل سے اس کی تحسین معلوم ہوتی ہے تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ انہوں نے اسے لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا ہے، بدعت کا شرعی معنی جو کہ ضلالت ہے، مراد نہیں لیا ہے، ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں:

پہلی مثال: تثویب کا حکم

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک کسی شخص نے ظہر یا عصر کی اذان کے بعد یہ آواز لگائی: لوگو! نماز کے لیے آؤ، نماز نیند سے بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آواز سنی تو کہنے لگے: فورا اس شخص کو نکال باہر کرو، اس نے نئی چیز ایجاد کی ہے۔ (ابوداؤد شریف، حدیث نمبر: ۵۳۸)

ہدایہ کی شرح بنایہ میں یہ موقوف حدیث نقل کی گئی ہے:

روى أن عليا - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - رأى مؤذنا يثوب للعشاء فقال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد.

(بنایہ ۲/ ۱۰۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موذن کو دیکھا کہ وہ اذان کے بعد یہ آواز لگا رہا ہے: لوگو! نماز کے لیے آؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بدعتی کو مسجد سے نکال باہر کرو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

جب صحابہ کرام نے تثویب (اذان کے بعد یہ آواز لگانا کہ لوگو مسجد پہونچو، بس تھوڑی دیر میں نماز کے لیے اقامت کہی جائے گی) پر نکیر کی؛ حتی کہ مثوب کو مسجد سے نکال نے کا حکم دیا تو فقہائے کرام اس سخت نکیر کے باوجود آخر اس کو مستحسن کیوں قرار دیتے ہیں؟

تثویب کے سلسلہ میں تین قول ہیں

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں فقہاء سے تین اقوال منقول ہیں:

پہلا قول: تثویب مکروہ ہے

تثویب تمام نمازوں میں مکروہ ہے؛ البتہ فجر کی نماز مستثنی ہے؛ کیوں کہ یہ نینداور غفلت کا وقت ہوتا ہے؛ لہٰذا فجر کی اذان کے بعد موذن کے لیے تثویب مستحسن ہے، اور دلیل حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَكَانَ لَا يَمُرُّ بِرَجُلٍ إِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلَاةِ أَوْ حَرَّكَهُ بِرِجْلِهِ. (ابوداؤد شریف، حدیث نمبر: ۴۸۹۴)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے جارہے تھے، اس وقت میں آپ کے ساتھ تھا، آپ جس آدمی کو بھی سویا ہوا دیکھتے اس کو جگا دیتے یا اس کے پاؤں کو ہلا دیتے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَيُؤْخَذُ مِنْهُ مَشْرُوعِيَّةُ التَّثْوِيبِ فِي الْجُمْلَةِ عَلَى مَا ظَهَرَ لِي وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ۰ (مرقاۃ المفاتیح ۲ / ۵۵۵)

میرا خیال ہے کہ اس حدیث سے تثویب کی مشروعیت کا جواز نکل سکتا ہے۔

دوسرا قول: مشغول آدمی کو تثویب مستحسن ہے

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو حضرات انتظامی اور دینی امور میں لگے رہتے ہیں ان کو اذان کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ نماز کے لیے آؤ، وقت ہوا چاہتا ہے؛ دلیل یہ حدیث ہے:

إن بلالا كان يجيئ بباب النبي صلى الله عليه وسلم بين الاذانين ويؤذنه بالصلاة.

جب فجر کی جماعت کا وقت ہو جاتا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے اور آپ کو اس کی اطلاع دیتے۔

تیسرا قول: مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب مستحسن ہے

متاخرین فقہائے کرام کہتے ہیں کہ مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب مستحسن ہے؛ اس لیے کہ اس دور میں لوگوں میں دنیوی کاموں کے جھمیلوں میں منہمک ہونے کی وجہ سے نمازوں میں سستی و کاہلی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، اور قرن اول کے لوگوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل کا کافی جذبہ پایا جاتا تھا، وہ فرائض؛ بلکہ نوافل کا بھی خاص اہتمام کرتے تھے؛ اسی لیے مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب مستحسن ہے۔

دوسری مثال: نماز میں تسمیہ بالجہر پڑھنا

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے فرزند کہتے ہیں کہ میں نماز میں قراءت سے پہلے جہری آواز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا، میرے والد ماجد ۔۔۔ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل ہے ۔۔۔ نے سن لیا، نماز کے بعد مجھ سے کہا: بیٹے! تم نے نماز میں ایک نئی چیز کا اضافہ کر دیا، خبردار! کبھی دین میں کوئی چیز ایجاد مت

کرنا۔۔۔حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کہتے ہیں: میرے والد ماجد کو احداث فی الدین سے سخت نفرت تھی، وہ کسی قیمت پر اس کو برداشت نہیں کرتے تھے۔۔۔پھر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے؛ لیکن میں نے ان عظیم ہستیوں کو نماز میں قراءت سے پہلے جہری آواز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا ہے؛ لہٰذا تم بھی نماز میں قراءت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہری آواز میں مت پڑھو۔ (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۴۴)

یہ مسئلہ (نماز میں قراءت سے پہلے جہر سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا) ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، احادیث میں دونوں کا ذکر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قراءت سے پہلے کبھی بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھتے تھے اور کبھی سراً پڑھتے تھے، میں (عبدالحی لکھنوی) نے اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ إحکام القنطرۃ فی أحکام البسملۃ میں بیان کیا ہے۔

تیسری مثال: تراویح کی نماز

سنن سعید بن منصور میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمْ صِيَامَ رَمَضَانَ وَلَمْ يَكْتُبْ قِيَامَهُ, وَإِنَّمَا الْقِيَامُ شَيْءٌ أَحْدَثْتُمُوهُ فَدُومُوا عَلَيْهِ وَلَا تَتْرُكُوهُ فَإِنَّ نَاسًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ابْتَدَعُوا بِدْعَةً لَمْ يَكْتُبْهَا اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ابْتَغَوْا بِهَا رِضْوَانَ اللّٰهِ فَلَمْ يَرْعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَعَابَهُمُ اللّٰهُ بِتَرْكِهَا, فَقَالَ: {وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۰}

(مختصر قیام اللیل ۱/ ۲۱۷)

اللہ نے تم پر ماہ رمضان المبارک کا روزہ تو فرض کیا ہے؛ لیکن

رمضان کا قیام (یعنی تراویح ادا کرنا) نہیں فرض کیا، یہ ایک نئی چیز تم نے جاری کی ہے اس لیے اس پر مداومت برتو، اسے چھوڑ نا مت، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک نئی بات شروع کی ؛لیکن وہ اسے نباہ نہیں سکے تو اللہ کی طرف سے ان پر عتاب ہوا، پھر حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی اس آیت تلاوت کی:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا. (الحدید، آیت:۲۷)

جہاں تک رہبانیت کا تعلق ہے وہ انہوں (نصاریٰ) نے خود ایجاد کر لی تھی۔

حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں قیام کو بدعت کہنے کے باوجود اس کا اہتمام کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے، بدعت شرعی نہیں ہے۔

چوتھی مثال: چاشت کی نماز

حکم بن اعرج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے چاشت کی نماز کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا:

بدعة ونعمت البدعة هي. (المواہب اللدنیۃ ۳/ ۳۲۱)

یہ بدعت ہے، اور یہ بہت اچھی بدعت ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی گئی ہے:

لَقَدْ قُتِلَ عُثْمَانُ وَمَا أَحَدٌ يُسَبِّحُهَا وَمَا أَحْدَثَ النَّاسُ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهَا. (حدیث نمبر:۴۸۶۸)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، کوئی شخص اس نماز (چاشت کی نماز) نہیں پڑھتا تھا، اور لوگوں نے دین میں جو بدعات حسنہ ایجاد کی ہیں ان میں مجھے (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سب سے زیادہ محبوب یہ بدعت ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد نبوی میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، میں اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

بدعة. (المواہب اللدنیۃ ۳/۳۲۱)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ المواہب اللدنیۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مطلب لکھتے ہیں:

أراد أنه عليه الصلاة والسلام لم يداوم عليها، أوأن إظهارها فى المساجد ونحوها بدعة، وإنما هى سنة نافلة فى البيوت والله أعلم.

وَفِي الْجُمْلَةِ لَيْسَ فِي أَحَادِيث بن عُمَرَ هَذِهِ مَا يَدْفَعُ مَشْرُوعِيَّةَ صَلَاةِ الضُّحَى لِأَنَّ نَفْيَهُ مَحْمُولٌ عَلَى عَدَمِ رُؤْيَتِهِ لَا عَلَى عَدَمِ الْوُقُوعِ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ أَوِ الَّذِي نَفَاهُ صِفَةٌ مَخْصُوصَةٌ. (۳/۳۲۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ بالا کلام کا مفہوم یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاشت کی نماز کا خاص اہتمام نہیں کیا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ مساجد وغیرہ میں اس نماز کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بدعت ہے، اور دولت کدہ

میں چاشت کی نماز کا اہتمام کرنا سنت ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جملہ احادیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس سے اس نماز کی مشروعیت کی نفی ہوتی ہو، یا آپ کے نفی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، نہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقت اور نفس الامر میں نماز پڑھی بھی نہ ہو، یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نفس صلاۃ الضحی کی نفی نہیں کی ہے؛ بلکہ اس کے خاص صفت یعنی مواظبت یا اجتماعی طور سے مسجد میں ادا کرنے کی نفی کی ہے۔

صحابہ کرام کے افعال موجدہ بدعت سیئہ نہ ہونے پر دلائل

جن افعال کو صحابہ کرام نے ایجاد کیا ہے وہ بدعت سیئہ نہیں ہیں، (اسی طرح کسی عامی آدمی نے کوئی ایسا کام کیا جو عہد نبوت میں نہیں کیا گیا اور صحابہ نے ان پر سکوت کیا تو وہ بھی بدعت سیئہ نہیں ہے، از مترجم) اس لیے کہ بے شمار احادیث ہیں جن میں صحابہ کرام کو معیار حق اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے، ہم یہاں چند احادیث نقل کرتے ہیں:

پہلی حدیث

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ.

(الشریعۃ للآجری، حدیث نمبر:۱۱۶۶)

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، اے لوگو! تم ان میں سے جس کی اقتدا کروگے راہ یاب ہوجاؤگے۔

حدیث کا درجہ

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے المؤتلف اور غرائب مالک میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے،

اسی طرح امام قضاعی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند الشہاب میں، امام احمد بن حسین بن علی ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے المدخل میں، امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے الکامل میں، امام دارمی، علامہ ابن عبد البر، ابن عساکر، حاکم اور دیگر ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے متعدد سندوں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے الفاظ مختلف ہیں؛ لیکن ان کا مفہوم ایک ہی ہے اور اس حدیث کی تمام سندوں میں ضعف ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الکافی الشاف فی تخریج أحادیث الکشاف میں اس حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کیا ہے پھر ان کے سقم وضعف کو واضح کیا ہے؛ لیکن امام صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کثرت سند سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے، چناں چہ علامہ سید جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیۃ المشکاۃ میں اس حدیث کو فضل العالم علی العابد الخ کے تحت لانے کے بعد لکھتے ہیں:

قد شبهوا بالنجوم فی قوله علیه السلام: " أصحابی کالنجوم ......الحدیث " حسنه الإمام الصغانی.

یہ جو حدیث " أصحابی کالنجوم " ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ستارے سے تشبیہ دی ہے، اس کو امام صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن قرار دیا ہے۔

علامہ قاسم حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح مختصر المنار میں لکھتے ہیں:

وتقلید الصحابی - وهو اتباعه فی قوله وفعله من غیر تأمل فی الدلیل - واجب یترك به القیاس؛ لقوله صلی الله علیه وسلم: مثل أصحابی فی أمتی مثل النجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم.

رواه الدار قطنی وابن عبد البر من حدیث ابن عمر، وقد روی معناه من حدیث أنس، وفی أسانیدها مقال، لکن یشد بعضها بعضا.

صحابی کی تقلید (تقلید کا مطلب یہ ہے کہ صحابی کے قول وفعل کی اتباع کی جائے، چاہے اس کی دلیل معلوم ہو یا نہ ہو۔) واجب ہے، کسی مسئلہ میں صحابی سے کوئی قول منقول ہو اور قیاس (عقل) اس کے خلاف کا تقاضہ کرے تو صحابی کے قول کو ترجیح دی جائے گی؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " مثل أصحابي في أمتي مثل النجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم " (میری امت میں صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، اے لوگو! تم جس صحابی کی اقتدا کروگے راہ یاب ہو جاؤ گے۔)

اس حدیث کو امام دار قطنی اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے نقل کیا ہے اور بعض ائمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے، ان تمام سندوں میں گوکہ راویوں پر جرح کی گئی ہے؛ لیکن محدثین نے اس حدیث کو مختلف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے۔

دوسری حدیث

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسَنَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، فَتَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ مُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (امالی ابن بشران، حدیث نمبر: ۵۶)

تم میری سنت اور خلفاء راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو، اس کو کسی حال میں مت چھوڑنا، بدعات ورسومات سے مکمل اجتناب کرو؛ کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

تیسری حدیث

اِقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ.

(ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۳۶۶۲)

اے لوگو! تم ان دو کی اقتدا کرو جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے، یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر پہلی دفعہ نگاہ ڈالی تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند فرمایا، اور انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا، پھر وہ دوبارہ لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے صحابہ کرام کو چنا، اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کا اٹھانے والا بنایا؛ لہٰذا جس چیز کو مسلمان (صحابہ کرام) اچھا سمجھیں گے وہ چیز اللہ کے یہاں بھی اچھی ہوگی اور جس چیز کو برا سمجھیں گے وہ چیز اللہ کے یہاں بھی بری ہوگی۔ (المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۸۵۸۳)

میں (علامہ عبدالحی لکھنوی) نے اور بھی احادیث کو تفصیل کے ساتھ جن میں صحابہ کرام کے معیار حق اور ان کی اتباع کا ذکر ہے، تحفۃ الاخبار میں ذکر کیا ہے، قارئین کو اس کتاب کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔

جب صحابہ کا عمل روایت کے خلاف ہو

اگر صحابہ نے کوئی ایسا عمل کیا جو دور نبوی میں نہیں ہوا تو اس کا کیا حکم ہے؟ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تین صورتیں ہیں:

---

(۱) اس روایت میں دو باتوں کی طرف لطیف اشارہ بھی ہے: (۱) اسلام نظام حکمرانی میں خلافت کا داعی ہے، خاندانی بادشاہت کا مخالف ہے۔ (۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد کے خلفاء بشمول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

(۱) صحابی کا وہ عمل نصوص شرعیہ کے موافق ہو۔

(۲) صحابی کا وہ عمل نصوص شرعیہ کے موافق نہ ہو۔

(۳) صحابی کا وہ عمل نصوص شرعیہ کے موافق بھی نہ ہو اور خلاف بھی نہ ہو۔

اگر پہلی صورت ہے تو اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ صحابی ہی کے عمل کو لیا جائے گا؛ اس لیے کہ وہ عمل اگرچہ دور نبوی مین نہیں تھا؛ لیکن اصول شرع کے مطابق ہے۔

اور اگر دوسری صورت ہے تو حتی المقدور ان دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو نص کو ترجیح دی جائے گی اور صحابی کے بارے میں یہ حسن ظن رکھا جائے گا کہ اس نے لاعلمی میں ایسا عمل کیا ہے۔

اور اگر تیسری صورت ہے یعنی صحابی کا عمل یا قول کتاب وسنت کے موافق بھی نہیں اور خلاف بھی نہیں تو ایسی صورت میں صحابی کے قول یا فعل ہی کو لیا جائے گا؛ اس لیے کہ بے شمار احادیث میں صحابی کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔

اختلاف صحابہ کے وقت حکم

اگر اصحاب رسول کا کسی چیز کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: مقلد کو اختیار ہے کہ کسی بھی صحابی کے قول پر عمل کرے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔

(الشریعۃ للآجری، حدیث نمبر:۱۱۶۶)

صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں جس کی بھی تم اقتدا کروگے راہ یاب ہو جاؤگے۔

دور تابعین وتبع تابعین کے امر محدث کا حکم

جو افعال تابعین اور تبع تابعین کے دور میں وجود میں آئے ہیں تو اس میں بھی

وہی تفصیل ہے جو ابھی بیان کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے نکیر کی ہے تو وہ بدعت ہوگی ، بصورت دیگر وہ بدعت نہیں ہے۔

خیر القرون کے بعد وجود میں آنے والے افعال کا حکم

جہاں تک ان افعال کی بات ہے جو قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد وجود میں آئی ہیں تو ان کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی دلیل اس کے جواز پر ناطق ہو یا اس کی نظیر قرون ثلاثہ میں موجود ہو تو وہ بدعت نہیں ہے، اگر آپ اس کو بدعت کہیں تو ضرور اس کی صفت بھی ذکر کریں یعنی بدعت حسنہ کہیں۔

اور اگر وہ ایسا کام ہو جس کے جواز پر کوئی شرعی دلیل ناطق نہیں ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کی نظیر بھی نہیں پائی جاتی ہے تو وہ بدعت ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے، اگر چہ اس کام کو کرنے والے شخص کی نیک نامی اور اس کے فضل وکمال کا لوگوں میں خوب چرچہ ہو؛ اس لیے کہ دین اسلام میں علماء اور صوفیاء کے افعال واقوال حجت نہیں ہیں۔

کل بدعۃ ضلالۃ خاص ہے یا عام؟

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) بدعت واجبہ: جیسے کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے علم نحو، صرف، منطق وغیرہ سیکھنا۔

(۲) بدعت مندوبہ: جیسے تصنیف وتالیف، مدارس اسلامیہ کی بنیاد، صلاۃ تراویح مع الجماعہ وغیرہ۔

(۳) بدعت مباحہ: کھانے، پینے، رہنے سہنے میں لذت حاصل کرنا۔

(۴) بدعت مکروہہ: جیسے فخر ومباہات کے لیے مساجد کو سجانا وغیرہ۔

(۵) بدعت محرمہ: جیسے فرقہ جبریہ، خوارج، معطلہ وغیرہ کے عقائد۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد "کل بدعة ضلالة" عام مخصوص منہ البعض ہے، یا عام غیر مخصوص منہ البعض؟

بعض علماء نے اس کو عام مخصوص منہ البعض قرار دیا اور بعض نے عام غیر مخصوص

منہ البعض قرار دیا، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں؛ اس لیے کہ جن فقہاء نے بدعت کی پانچ قسمیں کی ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کو عام مخصوص منہ البعض قرار دیا اور بدعت کی پہلی تین قسموں (بدعت واجبہ، مستحبہ اور مکروہہ) کا استثناء کیا اور جن فقہاء نے بدعت سے اس کا شرعی معنی مراد لیا ہے انہوں نے حدیث کو اس کے عموم پر محمول کیا۔

علامہ برکلی رحمۃ اللہ علیہ الطریقۃ المحمدیۃ میں لکھتے ہیں:

لو تتبعت كل ما قيل فيه: " بدعة حسنة " من جنس العبادات وجدته ماذونا فيه من الشارع إشارةأودلالة.(۱/۱۲۸)

جن عبادات کو بدعت حسنہ کہا گیا ہے اگر ان کے دلائل پر غور کیا جائے تو کتاب وسنت میں ضرور ان کے جواز کی صراحت یا کم ازکم ان کے جواز کی طرف اشارہ ہوگا۔

یہ دو جماعت صراط مستقیم سے منحرف ہیں

ہمارے دور میں دو طبقے ہیں جنہوں نے بدعت کی تعریف میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے:

پہلا طبقہ: بعض علماء سنت صرف ان افعال کو کہتے ہیں جو قرون مشہود لہا بالخیر میں وجود میں آئے ہیں، اور جو افعال قرون ثلاثہ کے بعد وجود میں آئے ہیں وہ بدعت ہیں، چاہے اس کے جواز پر کوئی شرعی دلیل ناطق ہو یا اس کی نظیر دور مسعود میں پائی جاتی ہو، بہرصورت وہ بدعت ہے؛ بلکہ ان میں بعض لوگوں نے سنت سے صرف وہ افعال مراد لیے ہیں جو دور نبوت میں وجود میں آئے ہیں اور صحابہ کرام کے افعال واقوال کو بدعات ورسومات میں شامل کردیا۔

دوسرا طبقہ: بعض لوگوں نے بدعت حسنہ کے مفہوم کو اتنا عام کردیا کہ جو افعال

ان کے آباء واجداد اور مشائخ سے منقول ہیں ان کو بھی بدعت حسنہ قرار دے دیا، اگرچہ شرعی دلیل اس کے جواز پر ناطق نہ ہو اور قرون ثلاثہ میں اس کی نظیر موجود نہ ہو۔

یہ دونوں طبقے صراط مستقیم سے منحرف ہیں اور اس مسئلہ میں صحیح بات وہی ہے جو سابق میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا باب

کثرت سے عبادت کا اہتمام کرنے والے سلف صالحین

صحابہ کرام میں ایک بڑی جماعت ہے جو ہمہ تن عبادات میں منہمک اور کثرت سے روزہ اور صدقہ کا اہتمام کرتی تھی، ذیل میں انہی صحابہ کرام کے واقعات کو قلم بند کیا جاتا ہے:

(۱) شرم وحیا کے پیکر اور داماد رسول: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی دادی رہیمہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نقل کرتے ہیں کہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صوم داوٗدی رکھا کرتے تھے، (ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے) اور ابتدائی رات میں ہلکی سی نیند لینے کے بعد بیدار ہوجاتے اور فجر تک عبادت میں مصروف رہتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ٢٦١١)

عبدالرحمن تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

مجھے ایک مرتبہ مقام ابراہیم پر رات ہوگئی، میں عشاء کی نماز ادا کر کے ابھی مقام ابراہیم پر پہونچا ہی تھا کہ ایک صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، میں نے دیکھا تو وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے، کچھ دیر کے بعد آپ نے نماز کی نیت باندھی، سورہ فاتحہ سے تلاوت شروع کی اور پورا قرآن پاک ختم کرلیا۔ (حلیۃ الاولیاء ١/ ٥٦)

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیا تو ان کی اہلیہ نے اپنے شوہر کی تعریف میں یہ جملے کہے:

إِنْ تَقْتُلُوهُ أَوْ تَتْرُكُوهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُحْيِي اللَّيْلَ كُلَّهُ فِي رَكْعَةٍ يَجْمَعُ فِيهَا الْقُرْآنَ. (المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ١٣٠)

اے ظالمو! تم ان کو خواہ شہید کردو یا چھوڑ دو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایسے جلیل القدر صحابی ہیں جو پوری رات عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور ایک رکعت میں مکمل قرآن مجید

پڑھتے ہیں۔

(۲) دشمنانِ اسلام کے لیے شمشیر براں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں آپ کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد گھر چلے جاتے اور پوری رات عبادت میں مصروف رہتے، اور روزے ہی کی حالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کیا۔ (۱۵۲/۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ آپ کا عمل نقل کرتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پوری رات نماز پڑھتے تھے، پھر اپنے غلام نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے: کیا رات کا دو تہائی حصہ گزر چکا ہے؟ اگر وہ جواب نفی میں دیتے تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے، تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے یہی بات پوچھتے: اگر وہ کہتے: جی رات کا دو تہائی حصہ گزر چکا ہے تو آپ صبح صادق تک دعا اور استغفار میں مصروف ہو جاتے۔ (المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۳۰۴۳)

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے عشاء کی نماز با جماعت نہیں پڑھ سکے، تو آپ بہت بے چین ہو گئے اور باقی پوری رات عبادت اور تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے۔ (معجم ابو یعلی الموصلی، حدیث نمبر: ۱۸)

(۴) حضرت تمیم بن اوس بن خارجہ داری رضی اللہ عنہ

یہ وہی جلیل القدر صحابی ہیں جن کی کسی جزیرہ میں دجال سے بات چیت ہوئی پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی، حضرت ابوسعید سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الانساب میں آپ کی عبادت وریاضت اور احسانی کیفیت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے، کبھی آپ

صبح صادق تک پوری رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہتے، آپ کا شماران عظیم المرتبت صحابہ کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی عبادت وریاضت، تعلق مع اللہ میں گزاردی اور دنیا کی زیب وزینت سے کنارہ کشی اختیار کی۔(۵ / ۲۸۲)

حضرت ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ فتح المبین بشرح الاربعین میں لکھتے ہیں:

کان تمیم یختم القرآن فی رکعة.

(سیر اعلام النبلاء/٦/٧)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں قرآن مجید مکمل کرلیا کرتے تھے۔

(۵) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

حضرت شداد انصاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد کی احسانی کیفیت کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ جب سونے کے لیے بستر پر آتے تو بستر پر الٹتے پلٹتے رہتے، اور کہتے: یا اللہ! جہنم کی ہولناکی کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آرہی ہے، پھر آپ وضو کرتے اور صبح صادق تک نماز پڑھتے۔(حلیۃ الاولیاء / ۲٦۴)

(٦) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

بخاری شریف کے بعض شارحین نے لکھا ہے:

کان علی رضی اللہ عنہ یختم فی الیوم ثمان ختمات.

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن میں آٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

کثرت سے عبادت اور نوافل کا اہتمام کرنے والے تابعین

(۱) حضرت عمیر بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مسلمہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت عمیر بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے اور ایک لاکھ مرتبہ سبحان اللہ کا ورد کرتے تھے۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۳۴۱۵)

(۲) حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

یہ وہی جلیل القدر تابعی ہیں جن کا ذکر خیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا، حضرت اصبغ بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب شام ہو جاتی تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے: یہ رکوع کی رات ہے، پھر وہ عشاء کی نماز کے بعد صبح صادق تک رکوع کی حالت میں رہتے، جب دوسرے دن شام ہو جاتی تو وہ کہتے: یہ سجدہ کی رات ہے، چنان چہ وہ عشاء کی نماز کے بعد صبح صادق تک اللہ کے بارگاہ میں سربسجود رہتے۔ (حلیۃ الاولیاء ۲ / ۸۷)

(۳) حضرت عامر بن عبد اللہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو جعفر سائح رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عامر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ عبادت وریاضت میں منفرد مقام رکھتے تھے، آپ کا روزانہ ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا۔ (حلیۃ الاولیاء ۲ / ۸۸)

(۴) حضرت مسروق بن عبد الرحمن ابو عائشہ ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ ایام حج میں پوری رات بلا ناغہ اللہ کے بارگاہ میں سربسجود رہتے۔ (حلیۃ الاولیاء ۲ / ۸۸)

حضرت شیخ الاسلام ابو عبد اللہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ العبر بأخبار من غبر میں لکھتے ہیں کہ

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نماز میں اتنا لمبا قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں میں ورم آجاتا تھا، وہ ایام حج میں بیشتر اللہ کی بارگاہ میں سربسجود رہتے۔(۱/۵۰)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے حج کیا تو واپسی تک زمین سے پیٹھ لگا کر سونے کے بجائے اکثر و بیشتر سجدہ ہی کی حالت میں رہتے۔(سیر اعلام النبلاء ۴/۶۵)

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کہتی ہیں کہ

میں نے جب بھی حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کے پاؤں نماز میں طول قیام کی وجہ سے پھولا ہوا پایا، خدا کی قسم جب میں کسی دن ان کے پیچھے بیٹھ جاتی تو مجھے ان کی حالت زار پر رحم آجاتا اور بلا اختیار میری آنکھوں میں آنسو آجاتے۔

(السنن الکبری، حدیث نمبر:۱۱۸٦۸)

(۵) حضرت سلیمان بن طرخان ابو المعتمر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ کی جامع مسجد میں چالیس سال قیام کیا اور آپ کا ایک ہی وضو سے عشاء اور فجر کی نماز پڑھنے کا معمول تھا۔(تاریخ الاسلام للذہبی بشار ۹/۱۵۷)

(٦) حضرت اسود بن یزید نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ

امام ذہبی اور علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں:

كان يصلي في اليوم والليلة سبع مأئة ركعة.

حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کا ہر دن سات سو رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا۔

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

كَانَ الْأَسْوَدُ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ

وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَكَانَ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ فِي كُلِّ سِتِّ لَيَالٍ.(۲/ ۱۰۲)

حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں پندرہ مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے، وہ صرف مغرب اور عشاء کے مابین سوتے تھے اور دیگر مہینوں میں ہر چھ دن میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرنے کا معمول تھا۔

(۷) حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبد المنعم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد حضرت ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔(حلیۃ الاولیاء ۲ / ۱٦۳)

(۸) حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رحمۃ اللہ علیہ

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ روزانہ ایک ربع قرآن پاک دیکھ کر تلاوت کرتے تھے، پھر تہجد میں اس کی تلاوت کرنے کا معمول تھا، جس دن آپ کا پاؤں (مرض آکلہ ہونے کی وجہ سے) کاٹا گیا، تو آپ اس رات تہجد کی نماز نہیں پڑھ سکے؛ لیکن اگلی رات اس کی قضاء فرمائی۔(شعب الایمان، حدیث نمبر: ۲۰۳۸)

(۹) حضرت صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

كَانَ بِالْبَصْرَةِ ثَلَاثَةٌ مُتَعَبِّدُونَ صِلَةُ بْنُ أَشْيَمَ، وَكُلْثُومُ بْنُ الْأَسْوَدِ، وَرَجُلٌ آخَرُ فَكَانَ صِلَةُ إِذَا كَانَ اللَّيْلُ خَرَجَ إِلَى أَجَمَةٍ يَعْبُدُ اللهَ تَعَالَى فِيهَا فَفَطِنَ لَهُ رَجُلٌ فَقَامَ لَهُ فِي الْأَكَمَةِ لِيَنْظُرَ إِلَى عِبَادَتِهِ فَأَتَى سَبُعٌ

فَبَصُرَ بِهِ صِلَةُ فَأَتَاهُ فَقَالَ: قُمْ أَيُّهَا السَّبُعُ فَابْتَغِ الرِّزْقَ فَتَمَطَّى السَّبُعُ وَذَهَبَ ثُمَّ قَامَ لِعِبَادَتِهِ فَلَمَّا كَانَ فِي السَّحَرِ قَالَ: اللهُمَّ إِنَّ صِلَةَ لَيْسَ بِأَهْلٍ أَنْ يَسْأَلَكَ الْجَنَّةَ وَلَكِنْ سِتْرًا مِنَ النَّارِ ۰ (حلیۃ الاولیاء ۲/ ۲۴۰)

بصرہ میں تین حضرات کے عبادات کا خوب چرچہ تھا: حضرت صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ،کلثوم بن اسود رحمۃ اللہ علیہ اور ایک تیسرے صاحب جن کا نام ذہن میں نہیں ہے؛ حضرت صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ جب رات ہوجاتی تو وہ عبادت کے لیے جنگل میں چلے جاتے، کسی دن ایک شخص کی نظر آپ پر پڑ گئی، وہ تجسس کے ارادہ سے کسی درخت کی آڑ میں بیٹھ گیا، وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک درندہ حضرت صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: جاؤ! اپنے لیے روزی روٹی تلاش کرو، چناں چہ وہ درندہ چلا گیا، ادھر حضرت عبادت میں مصروف ہوگئے، جب سحری کا وقت ہوگیا تو حضرت صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھایا اور رو رو کر بلک بلک کر کہہ رہے ہیں: یا اللہ! میرے اعمال ایسے نہیں ہیں کہ میں آپ سے جنت مانگوں؛ لیکن آپ ان اعمال کو اپنے فضل و کرم سے جہنم سے خلاصی کا ذریعہ بنا دیجیے۔

(۱۰) حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ

امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔آپ کو عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے احادیث سننے کا شرف حاصل ہے۔۔۔کہتے ہیں:

صحب أنسا أربعين سنة، وكان أعبد أهل البصرة.

مات سنة سبع و عشرین و مأئة.

(التفسیر من سنن سعید بن منصور ۱/۱۴۱)

حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحبت میں چالیس سال رہے ہیں، بصرہ میں آپ کی عبادت وریاضت کا خوب چرچہ تھا، آپ کی وفات سنہ ۱۲۷ھ میں ہوئی ہے۔

اور حضرت سنان رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہیں کہ

میں حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ کو قبر میں اتارنے کے ارادہ سے داخل ہوا اور میرے ساتھ حضرت حمید طویل یا کوئی دوسرے صاحب تھے، جب ہم نے قبر برابر کردی تو غلطی سے ایک اینٹ قبر میں گرگئی، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے اپنے قریبی ساتھی سے کہا: دیکھو دیکھو! اس نے کہا: خاموش، آواز مت کر، جب تدفین ہوگئی تو ہم سیدھے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ ہمیں اپنے والد محترم کا کوئی خاص عمل صالح بتائیں، اس نے کہا: کیا کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟ ہم نے وہ پورا واقعہ سنایا، اس اللہ کی بندی نے کہا: میرے ابی جان سے پچاس سال تک تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی ہے، اور رات کے آخری حصے میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: یا اللہ! آپ اپنی مخلوق میں سے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا موقع عنایت فرماتے ہیں تو مجھے بھی یہ موقع اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمایا، اللہ نے ان کی دعا کی لاج رکھ لی۔ (حلیۃ الاولیاء ۲/ ۳۱۹)

حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَيَصُومُ الدَّهْرَ. (شعب الایمان، حدیث نمبر: ۱۹۹۵)

حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ ایک قرآن ختم کیا

کرتے تھے اور صوم داوودی رکھتے تھے۔

(۱۱) امام زین العابدین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ العبر میں لکھتے ہیں کہ

امام (پیشوا، علم وفن کے آفتاب وماہتاب) زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تادم زیست بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھتے تھے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آپ چوں کہ عبادت وریاضت میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے؛ اسی لیے آپ لوگوں میں زین العابدین کے نام مشہور ہوئے۔ (۱/ ۸۳)

(۱۲) حضرت قتادہ بن دعامہ المعروف ابوالخطاب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلام بن ابی مطیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے؛ لیکن ماہ رمضان المبارک میں تین دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے اور آخری عشرہ میں ہر شب میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ۲/ ۳۳۸)

(۱۳) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں:

أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ فِي الْبَيْتِ الحرام.

(۱/ ۱۵٦)

یہ بات معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت وفاء بن ابو ایاس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا:

أمسك علی القرآن فما قام من مجلسه حتی ختم.

(مرآۃ الجنان ۱/۱۵٦)

میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں تم سنتے رہو، اللہ گواہ ہے کہ آپ نے اسی مجلس میں قرآن مجید ختم کرلیا۔

حضرت اسماعیل بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

كَانَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَؤُمُّنَا فِي رَمَضَانَ، فَيَقْرَأُ لَيْلَةً بِقِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَلَيْلَةً بِقِرَاءَةِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ.

(حوالہ سابق)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں ہمیں نماز تراویح پڑھاتے تھے، ایک شب قراءت ابن مسعود کرتے اور ایک شب قراءت زید بن ثابت کرتے۔

حضرت ہلال بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

دَخَلَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ الْكَعْبَةَ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ. (حلیۃ الاولیاء ۴/۲۷۳)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کعبہ میں تشریف لے جاتے اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرتے۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ آپ ہر دون میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(اعلام الاخیار)

(۱۴) حضرت محمد بن واسع المعروف ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالطیب موسیٰ بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

جب حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ مکہ سے بصرہ تشریف لے جارہے تھے تو میں (ابو الطیب) ان کے ہمراہ تھا، وہ پوری رات کجاوہ میں بیٹھ کر سر کے اشارہ سے نماز

پڑھتے، اورحدی خواں کوحکم دیتے کہ وہ پیچھے رہےاور بلند آواز سے حدی خوانی کرے؛ تاکہ کسی کواس کاعلم نہ ہوسکے، اورکبھی رات کے آخری پہر میں پراؤ ڈالتے تو نماز میں مشغول ہوجاتے، جب صبح کا وقت ہوتاتو ایک ایک ساتھی کے پاس آتے اور اس سے کہتے کہ نماز پڑھ لو۔(حلیۃ الاولیاء ۲/ ۳۴۶)

(۱۵) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے داماد حضرت مغیرہ بن حبیب ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ

میں (مغیرہ) نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے، کھانا تناول کیا، پھر نوافل، تلاوت قرآن مجید اور ذکر واذکار میں مصروف ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد آپ اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر کہنے لگے: یااللہ! جب قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع کریں تو اس وقت میرے اس سفید بال کی لاج رکھ لیں، مجھ گنہ گار کو اپنے فضل وکرم سے جہنم سے خلاصی عطا فرمائیں، (حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:) خدا کی قسم مجھے نیند آنے تک وہ یہی کہے جارہے تھے، درمیانی شب میں میری آنکھ کھل گئی، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی سابقہ حالت ہی پر ہیں، صبح صادق تک وہ اسی طرح اپنے خالق کو مناتے رہے۔(حلیۃ الاولیاء ٦/ ۲۴۷)

(۱٦) حضرت منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے، جب رمضان المبارک کا مہینہ سایہ فگن ہوجاتا تو وہ مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان دومرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ عشاء کی نماز رات کا چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ادا کرتے تھے۔(حلیۃ الاولیاء ۳/ ۵۷)

حضرت ہشام بن حسان رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات بھی منقول ہے کہ

میں حضرتمنصور رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل قریب مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی، حضرت

رحمۃ اللہ علیہ مغرب کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کریم میں مصروف ہو گئے، اور عشاء کی نماز تک بیس پارے پڑھ لیے۔(شعب الایمان ۳/ ۴۹۰)

حضرت مخلد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کا روزانہ ایک قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔(حلیۃ الاولیاء ۳/ ۵۸)

حضرت علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں (علاء) نماز پڑھنے کے ارادہ سے مسجد واصل میں گیا، مؤذن نے ظہر کی اذان دی، حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں آئے، اور سنت پڑھنے لگے، میں نے آپ کو ظہر کی نماز سے پہلے گیارہ مرتبہ سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(۱)(حلیۃ الاولیاء)

(۱۷) حضرت علی بن عبداللہ بن عباس مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

وکان یدعی السَّجَّادَ لِکَثْرَۃِ صِلَاتِہٖ.(۷/ ۳۵۸)

حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ اتنا نوافل کا اہتمام کرتے تھے کہ لوگ انہیں سجاد (بہت سجدہ کرنے والا) کہتے تھے۔

حضرت علی بن ابی حملہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کَانَ عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ یَسْجُدُ کُلَّ یَوْمٍ أَلْفَ سَجْدَۃٍ.

(الزہد لابی داؤد ا/ ۳۶۳)

حضرت علی بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ روزانہ ایک ہزار سجدہ کیا کرتے تھے، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ بات منقول ہے۔(العبر)

حضرت میمون بن زیاد عدوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

---

(۱) راوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ظہر کی نماز تک چوبیس پاروں کی تلاوت کی ہے: اس لیے کہ گیارہواں سجدہ چوبیسویں پارے میں ہے۔ازمترجم

كَانَ يُصَلِّي كُلَّ يَوْمٍ أَلْفَ رَكْعَةٍ.

(البدایہ والنہایہ ۸ /۳۳۷)

حضرت علی بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا روزانہ ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا۔

یہ بات کئی اہل علم حضرات سے منقول ہے، اور سب کا حاصل یہی ہے کہ آپ ہر دن پانچ سو رکعت نفل نماز پڑھتے تھے۔

(۱۸) امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ

شمس الائمہ کردری رحمۃ اللہ علیہ مناقب الامام ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں کہ یہ بات معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہے کی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عشاء کے وضو سے تیس سال تک اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس تک فجر کی نماز پڑھی ہے، آپ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے، اور رمضان المبارک میں دومرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ۱ / ۲۳و۲۴)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة يجمع القرآن في ركعتين.

(تہذیب الاسماء ۲ /۲۲۰)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دورکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

نیز حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم بن رستم مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ چار ائمہ کرام ہیں جن کا دو رکعت میں قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا: حضرت عثمان غنی، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن جبیر اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

(مناقب الامام ابی حنیفۃ واصحابہ ۱ / ۲۲)

تہذیب الاسماء واللغات میں ہے:

ما قدم مكة فى وقتنا رجل أكثر صلاة من أبي حنيفة. (تہذیب الاسماء ۲ / ۲۲۰)

ہمارے دور میں مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ نوافل کا اہتمام کرنے والا ہو۔

حضرت یحیی بن ایوب زاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة لا ينام الليل.

(الطبقات السنية فى تراجم الحنفية ۱ / ۳۲)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عموماً رات میں سویا نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابو عاصم نبیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

كان أبو حنيفة يسمى الوتد لكثرة صلاته.

(حوالہ سابق)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اتنی کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ لوگ آپ کو ستون اور کھمبا کہتے تھے۔

حضرت اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، رات میں ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے، آپ اپنے خالق کو منانے میں اتنا آہ و بکا کرتے تھے کہ قریبی پڑوس کے لوگوں کو ترس آجاتا، اس بات کو نوٹ کیا گیا ہے کہ آپ کی جس جگہ وفات ہوئی ہے وہاں آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔ (مناقب الامام ابی حنیفۃ واصحابہ ۱ / ۲۳)

حضرت حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیتے وقت آپ کی شان میں یہ مدحیہ جملے کہے تھے:

رَحِمكَ الله وَغفر لَكَ لم تفطر مُنذُ ثَلَاثِينَ سنة وَلم

تتوسّد يمينك في اللّيل منذ أربعين سنة.

(الوافی بالوفیات ۷ / ۲ / ۹۲)

اللہ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ نے تیس سال روزے رکھے ہیں، چالیس سال تک رات میں راحت و آرام کی نیند نہیں لی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پینتالیس سال تک ایک ہی وضو سے پانچوں فرض نمازیں ادا کی ہے، اور آپ کا ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔ (تہذیب الاسماء ۲ / ۲۵۰)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کہیں جارہا تھا کہ کسی آدمی نے آپ کے بارے میں کہا: یہ وہ عظیم شخصیت ہے جو پوری رات عبادت وریاضت میں مصروف رہتی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ اچھا نہیں ہے کہ میری طرف ایسی بات منسوب کی جائے جس کو میں نہیں کرتا ہوں، (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس کے بعد سے آپ پوری رات نوافل واذکار، دعا اور تعلق مع اللہ میں مصروف رہتے۔ (مناقب الامام ابی حنیفۃ ۱ / ۲۱)

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں رات میں مسجد پہنچا، اور ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کی آواز بہت شیرینی تھی، اس نے قرآن کے سات حصے پڑھ لیے، میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اب رکوع کریں گے؛ لیکن وہ مرد قلندر بلند اور سریلی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کیے جارہا تھا؛ حتی کہ اس نے ایک ہی رکعت میں قرآن مجید ختم کرلیا، جب اس نے اپنی نماز مکمل کرلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ علماء ومحدثین کے ماوی وملجا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ہیں۔(حوالہ سابق)

حضرت زائدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی مسئلہ پوچھنا تھا؛ اس لیے میں نے عشاء کی نماز ان کی مسجد میں ادا کی، جب تمام لوگ نماز کے بعد اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے، اور انہوں نے جب دیکھا کہ کوئی بھی شخص مسجد میں نہیں ہے تو نفل نماز کی نیت باندھ لی، میں (زائدہ) مسئلہ پوچھنے کے ارادہ سے اسی مسجد میں بیٹھ گیا؛ لیکن آپ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کیے جا رہے ہیں، چھبیس پارے ہو گئے، جب ستائیسویں پارے میں سورہ طور کی اس آیت "فمن الله علينا ووقانا عَذَاب السمُوم" (اللہ جل شانہ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں مزید یہ کہ اس نے ہمیں محض اپنے فضل وکرم سے جہنم کے عذاب سے بچا لیا) پر پہونچے تو اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے؛ حتی کہ فجر کی اذان ہوگئی اور میں آپ کے انتظار میں یونہی بیٹھا رہا۔(اخبار ابی حنیفۃ ۱/۵۴)

حضرت قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقام رضی الله تعالى عنه ليلة بهذه الآية: (بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ) يرددها، ويبكي، ويتضرع. (الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیۃ ۱/۳۲)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب اس آیت "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرّ" (یہی نہیں، بلکہ ان کے اصل وعدہ کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت تو اور زیادہ مصیبت اور کہیں زیادہ کڑوی ہوگی) پر پہونچے تو اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہتے اور آپ کی سسکیاں نکلتی رہتی۔

حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جالست الكوفيين فما رأيت أروع من أبي حنيفة.

(ورع الامام ابی حنیفۃ (۳/۶)

میرا کوفہ کے بڑے علماء اور فقہاء کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا؛ لیکن میں نے کسی کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ متقی اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔

اس بات کو کئی اہل علم حضرات نے نقل کیا ہے جن میں سرفہرست حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ علیہما ہیں کہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، آپ رات میں کبھی نہیں سوتے تھے، ظہر کی نماز کے بعد بیٹھے بیٹھے تھوڑی سی ہلکی نیند لینے کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سناتے:

اسْتَعِينُوا عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ بِالْقَيْلُولَةِ.

(شرح الزرقانی علی الموطا ۱/ ۴۴۳)

تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے دوپہر میں قیلولہ کرو۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شب کو میرے گھر میں قیام کیا، آپ آرام کیا کرتے، پوری رات اسی ایک آیت "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ" کو بار بار پڑھتے رہتے۔ (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ ۱/ ۴۹۴)

آپ کے کسی شاگرد نے یہ بات بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے پوری رات اسی ایک آیت "فمن اللہ علینا ووقنا عذاب السموم" کو بار بار پڑھا ہے۔ (حوالہ سابق)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ واقعہ بھی منسوب ہے کہ امام نے عشاء کی نماز میں سورہ زلزال کی تلاوت کی، جب تمام لوگ نماز کے بعد اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صبح صادق تک اپنی ڈاڑھی کو پکڑ پکڑ کہ رہے تھے:

يا من يجزي مثقال ذرة خيرا خيرا، ويا من يجزي

مثقال ذرة شرا شرا، أجر عبدك من النار. (حوالہ سابق)

اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کا بدلہ دینے والی ہے اور جو ذرہ برابر شر کا بدلہ دینے والی ہے، اپنے بندہ نعمان کو جہنم کی آگ سے پناہ میں رکھیے۔

حفص بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تیس سال تک شب بیداری کا معمول تھا، آپ ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ التذکرۃ میں لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر شب میں تین سو رکعت نفل نماز پڑھتے تھے، ایک دن آپ کا گزر بچوں کے پاس سے ہوا تو بچوں نے ایک دوسرے سے کہا: دیکھو! یہ بڑے مولانا پوری رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر کہا: میں نے بس نیت کی ہے کہ رات میں ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھوں گا اور آرام نہیں کروں گا۔

مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ (ان کی عبادت وریاضت، تقوی وللّٰہیت اور عشق نبوی کا خوب چرچہ تھا) فرماتے ہیں:

میں ایک دن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شریک ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ ہر فرض نماز کے بعد ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور بے شمار طالبان علوم نبوت آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے ہیں، مسائل پوچھنے کے لیے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہے، یہ عظیم الشان کام تسلسل کے ساتھ عشاء کی نماز تک جاری رہا، میں (مسعر) نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ شخص اس کام (دینی امور) میں اتنا مصروف ہے، آخر یہ عبادت کب کرتا ہے؟ دیکھتا ہوں کہ رات میں اس شخص کا کیا معمول ہے، اس شخص کی عظمت کو سلام، لوگ عشاء کی نماز کے بعد گھروں کو روانہ ہو گئے اور یہ مرد قلندر جو صبح سے شام تک علوم

شرعیہ کی درس وتدریس میں منہمک تھا، فجر کی نماز تک اللہ کے بارگاہ میں سربسجود ہے، جب فجر کی اذان ہوگئی تو یہ اپنے مے کدہ میں گیا، کپڑے پہنے اور فجر کی نماز کے لیے مسجد میں صف اول میں بیٹھ گیا، اللہ اکبر کبیرا۔ (تاریخ بغداد ۱۵ / ۴۸۷)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل وکمالات اور خصوصیات وامتیازات پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں چند مشہور کتابوں کا نام ذکر کیا جاتا ہے جن میں امام صاحب کی سوانح حیات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

(۱) أعلام الاخیار فی طبقات فقہاء مذہب النعمان المختار، یہ امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔

(۲) تبییض الصحیفۃ بمناقب الامام ابی حنیفۃ، یہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔

(۳) وفیات الاعیان، یہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا ہے؛ لیکن ان کا اختلاف اس امر میں کہ آپ تابعی ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ تابعی نہیں ہیں؛ لیکن اکثر معتبر اور معروف علماء وفقہاء نے آپ کے تابعی ہونے کو ثابت کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابوعبداللہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ الکاشف میں لکھتے ہیں کہ

نعمان بن ثابت بن زوطی رحمۃ اللہ علیہ کو خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے، آپ نے عطاء بن ابی رباح، اعرج اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم سے علم حاصل کیا، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما جیسی عظیم شخصیات آپ کے شاگردوں میں ہیں، میں (ابوعبداللہ ذہبی) نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر ایک رسالہ ترتیب دیا ہے۔

اور مرآۃ الجنان میں ہے:

عراق کے فقیہ اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سن پیدائش ۸۰ھ اور سن وفات ۱۵۰ھ

ہے، آپ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے، اور آپ کے اساتذہ میں عطاء بن ابی رباح اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔(۱/۱۵۷)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چار صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا کتاب میں چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں کہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چار صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے:

(۱) بصرہ میں خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۲) کوفہ میں حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ

(۳) مدینہ منورہ میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ

(۴) مکہ مکرمہ میں ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ

بعض تاریخ نگاروں کا کہنا ہے کہ امام صاحب کو کسی صحابی سے ملاقات اور ان سے احادیث سننے کا شرف حاصل نہیں ہے؛ لیکن امام صاحب کے تلامذہ کہتے ہیں کہ امام صاحب نے چند صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ان سے احادیث اخذ کی ہیں، علامہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔(۱/۲۴۲)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ طبقات الحنفیہ میں لکھتے ہیں کہ

یہ بات یقینی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چند صحابہ کرام سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے؛ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ آپ نے صحابہ سے احادیث سنی ہے یا نہیں؟ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ آپ نے اس مقدس جماعت سے احادیث سنی ہے، میں (ملا علی قاری) نے مسند الامام میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو امام صاحب نے صحابہ کرام سے بنفس نفیس سنا ہے؛ لہٰذا آپ نامور تابعین میں ہیں، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد "وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ" (التوبۃ،۱۰۰) کے مصداق ہیں۔(ترجمہ: جن لوگوں نے خلوص نیت کے ساتھ صحابہ کرام کو اپنا مقتدا ورہنما اور ان

کے روش چلنے کی کوشش کی۔)(۲/ ۴۵۲)

اسی طرح اس حدیث کے عموم میں بھی داخل ہیں:

خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِينَ يَلُونِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ. (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۲۵۵۳)

کسی شخص کے تابعی ہونے کے لیے صرف صحابی کا دیدار کافی ہے

جمہور علمائے اصول حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ کسی شخص کے تابعی ہونے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اس کو صحابہ کرام سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہوجائے، تابعی ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ کسی صحابی سے حدیث سنا جائے یا ان کے ساتھ کچھ ایام رہا جائے، ہاں علمائے اصول حدیث کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کسی شخص کے صحابی ہونے کے لیے محض نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہوجائے تو کافی ہے یا اس کے ساتھ کچھ شرائط بھی ہیں؟ بعض فقہاء نے شرف صحابیت میں یہ شرط لگائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں معتد بہ ایام رہا جائے، یا آپ سے کوئی حدیث سنی جائے یا آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت ہو۔

کیا امام صاحب نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تبییض الصحیفۃ بمناقب الامام ابی حنیفۃ میں لکھتے ہیں کہ قاری امام ابومعشر عبد الکریم بن عبد الصمد طبری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس میں انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ان روایات کو جمع کیا ہے جو آپ نے بنفس نفیس صحابہ کرام سے سنی ہے؛ لیکن حمزہ سہمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ کرام میں صرف خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے؛ لیکن آپ نے ان سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے، علامہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے۔

نیز امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تبییض الصحیفۃ بمناقب الامام ابی حنیفۃ میں دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

مجھے شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے ملے، کسی سائل نے آپ (ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث سنی ہے، یہ تابعی ہیں؟

جواب میں حضرت نے لکھا کہ یہ بات معتبر علماء سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کسی صحابی سے کوئی روایت لی ہے؛ البتہ آپ کو خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے دیدار کا شرف حاصل ہے، جن فقہائے کرام نے تابعی ہونے کے لیے صرف صحابی کے دیدار کو کافی سمجھا ہے انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔

یہی سوال حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چند صحابہ کرام سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے؛ اس لیے کہ آپ کی پیدائش سنہ ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور ان ایام میں صحابی رسول حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کوفہ میں قیام پذیر تھے؛ کیوں کہ یہ بات یقینی ہے کہ ان کی وفات سنہ ۸۰ھ کے بعد ہی ہوئی ہے اور بصرہ میں حضرت خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد سندوں سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام صاحب کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، دنیا میں ان دو کے علاوہ اور بھی صحابہ باحیات تھے۔

بعض علماء نے ایک رسالہ میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام سے سنی ہے؛ لیکن تمام سندوں میں ضعف پایا جاتا ہے؛ اس لیے صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ آپ کو صحابہ کرام سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے، اور اتنی بات تابعی ہونے کے لیے کافی ہے، جہاں تک صحابہ کرام سے سماعت حدیث کی بات ہے تو وہ ائمہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں، جیسے: شام میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، بصرہ میں حماد رحمۃ اللہ علیہ، کوفہ میں امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، مکہ مکرمہ میں مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ اور

مصر میں لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے کسی نے اس بات کو نقل نہیں کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام سے حدیث سنی ہے۔

ابھی جو یہ بات کہی گئی ہے کہ کسی شخص کے تابعی ہونے کے لیے صرف صحابی سے لقاء کافی ہے، حدیث کا سننا شرط نہیں ہے، اس کی تائید اسے بھی ہوتی ہے کہ علمائے اصول حدیث نے تابعی کی تعریف میں یہ قید ذکر نہیں کی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تابعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

وھو (التابعی) مَن لَقِیَ الصَّحابِیَّ. (نزہۃ النظر ۱/ ۴۳)

تابعی وہ شخص ہے جس کو صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہو۔

علامہ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(وَهَذَا) أَي التَّعْرِيف للتابعي، (هُوَ الْمُخْتَار). قَالَ الْعِرَاقِيّ: وَعَلِيهِ عمل الْأَكْثَرين. وَقد أَشَارَ النَّبِي صلى الله تَعَالَى عَلَيْهِ وَسلم إِلَى الصَّحَابَة وَالتَّابِعِينَ بقوله: طُوبَى لمن رَآنِي وآمن بِي، وطُوبى لمن رأى من رَآنِي. (شرح نخبۃ الفکر ۱/ ۵۹۶)

تابعی کی جو تعریف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے یہی جمہور علماء کے نزدیک راجح ہے، علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسی تعریف کو اکثر علماء نے نقل کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شرف صحابیت اور تابعت کے لیے محض دیدار کافی ہے، چنان چہ آپ نے فرمایا:

خوش نصیب اور سعادت مند ہے وہ شخص جس نے مجھے (ایمان کی حالت میں) دیکھا اور وہ شخص بھی خوش نصیب ہے جس نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے۔

میں (علامہ عبد الحی لکھنوی) کہتا ہوں: اس تعریف کے پیش نظر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے صف میں شامل ہیں؛اس لیے کہ آپ کو خادم رسول حضرت انس بن مالک اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے،اس بات کو شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسماء رجال القراء میں، علامہ تور بشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفۃ المسترشدین میں، صاحب کشاف رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ المؤمنین میں، علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرآۃ الجنان میں اور دیگر متبحر علماء نے بیان کیا ہے، جو شخص آپ کے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعیت کو تسلیم نہیں کرتا ہے وہ کوتاہ نظر یا متعصب ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ العلل المتناہیۃ فی الاحادیث الواہیۃ میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ہے؛لیکن آپ کو خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے۔

یہ ثقہ اور علم وفن کے آفتاب وماہتاب علمائے کرام: دارقطنی، ابن سعد، خطیب، ذہبی، حافظ ابن حجر، ولی الدین عراقی، ملاعلی قاری، اکرم سندی، ابومعشر، حمزہ سہمی، یافعی، جزری، تور بشتی، ابن جوزی اور صاحب کشاف رحمۃ اللہ علیہم نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعیت کو تسلیم کیا ہے اور اپنی تصانیف میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، ہاں یہ بات صحیح ہے کہ بعض ائمہ نے امام صاحب کے صحابہ کرام سے سماعت حدیث کا انکار کیا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے جو امام صاحب کی تابعیت کو ثابت کیا ہے ایسا نہیں ہے کہ آپ کی عقیدت میں کہا ہے؛ بلکہ کئی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور مجھے امام صاحب کی تابعیت پر مکمل شرح صدر ہے۔

جن تاریخ نگاروں نے امام صاحب کی تابعیت کو تسلیم نہیں کیا ہے وہ وسعت نظری، باریک بینی، قوت حافظہ اور بلند پایہ فقاہت ودرایت میں مذکورہ بالا ائمہ کرام کے ہم پلہ نہیں ہیں؛لہذا ان مؤرخین کی بات کا اعتبار نہیں ہے، کیا مؤرخین میں کوئی ہے جو شیخ

الاسلام علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسی اعلی صلاحیت واستعداد کا حامل ہو؛ بلکہ یہ اتنی عظیم ہستی ہے کہ اگر بالفرض صرف انہی سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تابعی ہونا منقول ہوتا تو ان کا نقل ہی ان تمام مؤرخین کے قول کو رد کرنے کے لیے کافی ہوتا۔

آخران کی بات کیسے قبول کی جائے گی جب کہ حفاظ احادیث کے امام علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، معتمد علیہ علماء کے مقتدا ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ، خاتم حفاظ احادیث امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، مؤرخین کے مضبوط ترین ستون علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر اور چوٹی کے علماء نے صاف اور واضح الفاظ میں امام صاحب کی تابعیت کو تسلیم کیا ہے۔

تابعین کے بعد کثرت سے عبادت کا اہتمام کرنے والے ائمہ کرام

(۱) حضرت سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف زہری رحمۃ اللہ علیہ

شعب الایمان میں ہے کہ

حضرت سعد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اکیسویں، بائیسویں اور پچیسویں شب کو مکمل قرآن مجید پڑھنے کے بعد ہی کھانا کھاتے تھے۔(۳/ ۵۲۳)

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ مرآۃ الجنان میں علامہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

حضرت سعد رحمۃ اللہ علیہ صوم داوودی رکھتے تھے اور روزانہ ان کا مکمل قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔(حلیۃ الاولیاء ۳/ ۱۷۰)

(۲) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابواسحاق فزاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ماہ رمضان المبارک میں دین میں زراعت کرتے تھے اور پوری رات عبادت میں مصروف رہتے، اس طرح آپ نے ماہ رمضان المبارک کے پورے تیس دن نہ رات میں سوئے اور نہ دن میں سوئے۔

(حلیۃ الاولیاء ۷/ ۳۷۸)

(۳) حضرت شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ صوم داوودی رکھتے تھے، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔(حلیۃ الاولیاء ۷/ ۱۴۵)

العبر باخبار من غبر میں ہے:

امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج ازدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے،

خدا کی قسم! وہ علم وفن کے آفتاب وماہتاب تھے، علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ آپ نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں میں ورم آجاتا۔(شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ۲/ ۲۷۰)

(۴) حضرت فتح بن سعید موصلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابراہیم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کو سر میں کافی درد ہوا، وہ اس پر بہت خوش ہو رہے تھے اور کہ رہے تھے: مولائے کریم آپ نے مجھے آزمائش میں ڈالا ہے جو انبیاء کی سنت رہی ہے، پس میں اس شکرانہ رات میں چارسو رکعت نفل نماز پڑھوں گا۔(حلیۃ الاولیاء ۸/ ۲۹۲)

(۵) حضرت محمد بن ادریس المعروف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سلیمان بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ماہ رمضان المبارک میں ساٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے، آپ اس بابرکت مہینہ میں تلاوت قرآن مجید اور نماز کے علاوہ کوئی دوسرا مشغلہ نہیں رکھتے تھے۔(حلیۃ الاولیاء ۹/ ۱۳۴)

ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ازخود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ آپ ماہ رمضان المبارک میں ساٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

(حلیۃ الاولیاء ۹/ ۱۳۴)

ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چندرات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں قیام کیا، آپ رات میں ہلکی سی نیند لینے کے بعد بیدار ہوجاتے اور عبادت وریاضت میں مصروف ہوجاتے۔

علامہ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان الشافعي يختم القرآن كل يوم ختمة.

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۶) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند) فرماتے ہیں:

میرے والد ماجد کا ہر دن تین سو رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا، جب آپ کو حق بات (خلق قرآن کا مسئلہ جس میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل کی روشنی میں اپنا یہ صاف موقف بیان کیا تھا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں، اور یہی اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ ہے۔) بولنے کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے تو بہت ہی لاغر اور کمزور ہو گئے؛ لیکن اس کے باوجود آپ ہر دن ایک سو پچاس رکعت نفل نماز پڑھتے تھے اور آپ کی عمر ۸۰ کے قریب تھی۔ (حلیۃ الاولیاء ۹/ ۱۸۱)

(۷) حضرت احمد بن محمد بن سہل بن عطاء ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو الحسین محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے (ابو الحسین) چند سال تک ابو العباس عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کا شرف حاصل ہے، آپ روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے اور ماہ رمضان المبارک میں ہر دن تین مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ۱۰/ ۳۰۲)

(۸) حافظ منصور ابو عتاب سلمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے العبر باخبار من غبر میں لکھتے ہیں کہ حافظ منصور رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال روزہ رکھا ہے، آپ رات میں اللہ کے بارگاہ میں سربسجود ہوتے اور بہت روتے تھے۔ (۱/ ۱۷۷)

(۹) حضرت واصل بن عبد الرحمن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو داوود طیالسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واصل بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہر شب میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (العبر ۱/ ۲۱۸)

(۱۰) حضرت محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئیب رحمۃ اللہ علیہ

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ پوری رات عبادت میں

مصروف رہتے۔(سیر اعلام النبلاء ۷/ ۵٦۲)

(۱۱) حضرت وکیع بن جراح کوفی رحمۃ اللہ علیہ

امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ اعلام الاخیار میں یحیی بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:
مجھے (یحیی بن اکثم) سفر وحضر میں حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے، آپ صوم داوودی رکھتے تھے، اور ہر شب ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۷/ ۵٦۰)

حضرت محمد بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مکث وکیع بعبادان أربعین لیلة، وختم أربعین مرة، وتصدق بأربعین ألف درهم.

حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ عبادان میں چالیس رات رہے ہیں، آپ نے چالیس مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے اور چالیس ہزار درہم صدقہ وخیرات کیا ہے۔

یہ صحابہ کرام، تابعین عظام، فقہاء اور ائمہ مجتہدین کی جماعت ہے جنہوں نے اپنے آپ کو ہمہ وقت عبادت وریاضت میں مصروف رکھا، لایعنی امور سے مکمل اجتناب کیا، ان کے لیے آخرت میں اجر عظیم ہے ہی، دنیا میں بھی ان کی نیک نامی اور ذکر خیر کا چرچہ ہے، مجالس میں ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے سے اللہ کی خاص رحمتیں وعنایتیں نازل ہوتی ہیں اوران کے واقعات سننے سے دل شوق عبادت میں مچلتا ہے، اور احسانی کیفیت کی دبی ہوئی چنگاری شعلہ کا کام کرتا ہے۔اللہ ہمیں ان مقدس ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اوران کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔(آمین)

میں (علامہ عبدالحی لکھنوی) نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی العبر اور سیر اعلام النبلاء، علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مرآۃ الجنان اور الارشاد والتطریز بذکر فضل الذکر وتلاوۃ القرآن العزیز، ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی حلیۃ الاولیاء، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تہذیب الاسماء

واللغات، امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کی الانساب اور دیگر فن تاریخ اور اسماء الرجال پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کیا، بعض کتابیں پوری پڑھا ہوں اور بعض کتابوں کے دوتہائی حصہ پڑھا ہوں، مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کثرت سے عبادات کرنے والے ایک سو دوسو نہیں ہے ہزاروں میں ہیں، میں نے بس چند حضرات کا ذکر کیا ہے اس امید سے کہ حق کے متلاشی کے لیے یہ کافی ہے، جہاں تک جاہل اور متعصب کی بات ہے تو چاہے کتنے ہی عابدین کا ذکر کیا جائے وہ اپنی ہی بات پر مصر رہے گا۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ سابق میں بغیر سند کے ائمہ کرام کے عبادت وریاضت کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے؛ لہذا ان واقعات پر اعتماد کیسے کیا جائے گا؛ کیوں کہ واقعات کے معتبر ہونے کے لیے یا تو مشاہدہ ضروری ہے یا سند ضروری ہے؟

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ سابق میں بیان کیے گئے واقعات معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں اور ان کتابوں میں اسناد کا ذکر ہے؛ لہذا تحقیق کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان واقعات کو نقل کرنے والے ائمہ اسلام اور دین کے مضبوط ترین ستون ہیں، اہم مباحث میں ان کے اقوال فیصلہ کن ہوتے ہیں، جیسے: ابو نعیم اصفہانی، ابن کثیر، امام سمعانی، ابن حجر مکی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام سیوطی، ملا علی قاری، شمس الائمہ کردری، امام نووی، عبد الوہاب شعرانی، شیخ الاسلام ذہبی رحمۃ اللہ علیہم اور وہ ائمہ جو ان کے شانہ بشانہ چلے ہیں۔

کیا کسی شخص کی یہ جرات ہوسکتی ہے کہ وہ کہے: ان ائمہ نے اپنی تصانیف میں جو واقعات نقل کیے ہیں وہ خلاف واقعہ ہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں! ان ائمہ کی ثقاہت وعدالت پر شک نہیں ہونا چاہیے، یہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کسی بات کو تحقیق وجستجو اور راوی کی جانچ کے بعد ہی اپنی تصانیف میں لکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تیسرا باب

عبادات میں طاقت وقدرت اور توانائی کے بقدر جدوجہد کرنا بدعت نہیں ہے۔

عبادات میں حتی الوسع ریاضت ومشقت برداشت کرنا بدعت نہیں ہے، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو کئی دلائل سے ثابت کیا ہے جن کو ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے:

پہلی دلیل

یہ بات یقینی ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے دین کے لیے ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے اور کسی بھی صحابی یا معتبر امام نے اس پر نکیر نہیں کی ہے، اور ہر وہ امور جن کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے انجام دیا ہے اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی ہے وہ بدعت نہیں ہوتی ہے۔

دوسری دلیل

بعض خلفائے راشدین جیسے: حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے دین کے لیے ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے، اور ہر وہ امور جن کو خلفائے راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان غنی اور علی رضی اللہ عنہم) نے انجام دیا ہے اور کسی صحابی نے ان پر نکیر نہیں کی ہے وہ سنت ہوتی ہے؛ کیوں کہ سنت کا اطلاق نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کے ساتھ ان امور پر بھی ہوتا ہے جن کو خلفائے راشدین نے یا کسی ایک خلیفہ راشد نے بطور عبادت انجام دیا ہو؛ بلکہ علمائے کرام نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ چیزیں بھی سنت ہیں جو کسی عامی آدمی نے کیا ہے اور خلفائے راشدین کی طرف سے رد عمل نہیں ہوا۔ (تحریر الاصول ۲/ ۱۴۸)

تیسری دلیل

ائمہ مجتہدین اور محدثین عظام نے عبادات میں ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے، اگر یہ بدعت ہوتی تو ان کا مبتدع اور گمراہ ہونا لازم آئے گا، کیا کوئی بھی مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے؟

چوتھی دلیل

وہ جلیل القدر مؤرخین جن کی ثقاہت وعدالت، خلوص وللّٰہیت، ورع وتقوی اور بدعات ورسومات سے مکمل اجتناب تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہیں، انہوں نے اپنی تصانیف میں سلف صالحین کی سوانح حیات میں ان کی دین اسلام کے تئیں ریاضت ومشقت برداشت کرنے کے واقعات کو خاص طور پر بیان کیا ہے، ظاہر ہے کہ ان واقعات سے سلف صالحین کی مدح وستائش اور نسل نو میں سرد احسانی کیفیت کو شعلہ زن کرنا مقصود ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین میں ریاضات شاقہ محبوب اور پسندیدہ عمل ہے، بصورت دیگر بدعت سیئہ کی تعریف کرنا لازم آئے گا جو کہ علماء کے شایان شان نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

کئی احادیث میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت وریاضت میں مشقت برداشت کیا ہے، ہم یہاں ان احادیث کو نقل کرتے ہیں:

پہلی حدیث

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا صَلَّى قَامَ حَتَّى تَفَطَّرَ رِجْلَاهُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَتَصْنَعُ هَذَا، وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

(مسلم شریف، حدیث نمبر: ۸۱)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا، جب کوئی آپ سے کہتا کہ آخر آپ اللہ کے محبوب اور مقرب پیغمبر ہونے کے باوجود عبادات میں

اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ کہتے: کیا میں اس بات پر اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟

دوسری حدیث

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهُ: أَتَكَلَّفُ هَذَا؟ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. فَقَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا. (مسلم شریف، حدیث نمبر:۷۹)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک پھول جاتے، صحابہ کرام کہتے: یا رسول اللہ! جب اللہ نے آپ کی سابقہ اور لاحقہ گناہوں کو معاف کر دیا ہے تو آپ عبادات میں اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے: کیا میں اس بات پر اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟

تیسری حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَتَّى تَزْلَعَ قَدَمَاهُ. (سنن کبری، حدیث نمبر:۱۳۲۸)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عبادات میں اتنی جد و جہد اور ریاضت ومشقت برداشت کرنا کہ بدن کو جسمانی نقصان پہنچے جائز ہے؛ اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معصوم ہونے کے باوجود مزید یہ کہ اللہ نے آپ کو سابقہ اور لاحقہ لغزشوں کو معاف کردینے کا مژدہ بھی سنادیا ہے پھر بھی آپ نے عبادت میں جو ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے وہ بیان سے باہر ہے، تو ایک امتی کے لیے۔۔۔ جسے پتہ ہی نہیں کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا یا نہیں۔۔۔ عبادات میں ریاضت ومشقت برداشت کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا؟ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جب عبادت میں انہماک کی وجہ سے اکتاہٹ اور طبیعت میں انقباض کی کیفیت پیدا ہوجائے تو چستی وپھرتی آنے تک عبادت کو موقوف رکھنا چاہیے؛ لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبادت کی وجہ سے جسمانی نقصان ہونے کے باوجود یہ حالت (ملال واکتاہٹ) پیدا نہیں ہوتی تھی؛ اس لیے کہ اللہ نے آپ کو غیر معمولی طاقت وتوانی عطا فرمائی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے نماز کو اپنی آنکھ کی ٹھنڈک قرار دیا۔ (۳/ ۱۵)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے پوری رات قیام کیا یا ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا؛ بلکہ روایات میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ آپ نے تہجد کی نماز گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھی ہے، چنان چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے:

وَلَمْ يَقُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً يُتِمُّهَا حَتَّى الصَّبَاحِ، وَلَمْ يَقْرَأْ الْقُرْآنَ فِي لَيْلَةٍ يُتِمُّهُ، وَلَمْ يَصُمْ شَهْرًا يُتِمُّهُ غَيْرَ رَمَضَانَ حَتَّى مَاتَ۔

(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۶۳۶)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو پوری رات عبادت میں مصروف نہیں رکھا، آپ نے کبھی ایک ہی رات میں قرآن مجید ختم نہیں

کیا، اسی طرح آپ نے ماہ رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے تیس دن روزہ نہیں رکھا، نبی پاک ﷺ کی یہ عادت طیبہ تھی کہ جب آپ اپنی عبادات نفلیہ میں کسی عبادت کا اضافہ کرتے تو اس عبادت کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرتے، آپ سے وہ عبادت کبھی فوت نہیں ہوتی تھی۔

سنن دارمی میں ہے:

وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ خُلُقًا، أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهِ، وَمَا قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً حَتَّى يُصْبِحَ، وَلَا قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ، وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ.

(سنن دارمی، حدیث نمبر:۱۵۱۶)

نبی پاک ﷺ جب کسی بھی عمل صالح کو ایک مرتبہ انجام دیتے تو آپ اس کو اپنی معمولات میں شامل کر لیتے، اور اس کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا خاص اہتمام کرتے تھے، آپ نے پوری رات خود کو عبادت میں مصروف نہیں رکھا ہے، اسی طرح آپ نے ماہ رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے تیس دن روزہ نہیں رکھا۔

صحیح مسلم میں ہے:

قالت لسعد: یا بنی! وَكَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهَا، وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ، أَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ

النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً، وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ، وَلَا صَلَّى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ، وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ.

(مسلم شریف، حدیث نمبر:۷۴۶)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سعد بن ہشام بن عامر رحمۃ اللہ علیہ سے کہتی ہیں: بیٹے! نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی عمل صالح کو ایک مرتبہ انجام دے دیتے تو پھر آپ کی پوری جد و جہد رہتی تھی کہ وہ عمل کبھی فوت نہ ہو، اگر آپ کو رات میں نیند کا شدت سے تقاضہ ہوتا یا قیام اللیل (تہجد کی نماز) کی وجہ سے سر میں درد ہوتا تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے، میرے (عائشہ صدیقہ) علم میں یہ بات نہیں ہے کہ آپ نے کسی شب میں قرآن مجید ختم کیا ہو، نہ آپ نے خود کو پوری رات عبادت میں مصروف رکھا، اسی طرح آپ نے ماہ رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے تیس دن روزہ نہیں رکھا۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی گئی ہے:

وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ لَيْلَةً حَتَّى الصَّبَاحِ، وَمَا صَامَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا إِلَّا رَمَضَانَ.

(مسلم شریف، حدیث نمبر:۷۴۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو پوری رات عبادت میں مصروف نہیں رکھا ہے، اسی طرح آپ نے ماہ رمضان المبارک کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے تیس دن روزہ نہیں رکھا۔

بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی گئی ہے:

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً۔

(بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۱۴۷)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہجد کی نماز کسی مہینہ میں حتی کہ رمضان المبارک میں بھی گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھا ہے۔

معترض کہتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ پوری رات عبادت میں مصروف رہنا، تہجد کی نماز گیارہ رکعت سے زائد پڑھنا، ایک ہی شب میں قرآن مجید ختم کرنا بدعت اور خلاف سنت ہے؟

جواب: ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معترض کا یہ کہنا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری رات عبادت کرنا ثابت نہیں ہے، یہ بات غلط ہے؛ اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی یہ روایت منقول ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، أَحْيَا اللَّيْلَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ۔

(مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۱۷۴)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں پوری رات عبادت میں مصروف رہتے، اور گھر کے افراد کو بھی عبادت کے لیے جگاتے، عبادت میں خوب محنت کرتے اور اپنی ازار مضبوطی سے باندھ لیتے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استغرقه بالسهر فِي الصَّلَاة وَغيرهَا۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری رات نماز، قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر واذکار میں لگے رہتے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نہایہ غریب الحدیث میں احیاء اللیل کے معنی لکھتے ہیں:

السهر فيه بالعبادة وترك النوم. (۱/۲۸٦)

احیاء اللیل کے معنی ہیں: رات میں عبادت کے ارادہ سے جاگنا، اور نہیں سونا۔

ایک دوسری روایت جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری رات عبادت کا اہتمام کیا ہے، یہ روایت صحیح ابن حبان، الترغیب والترہیب وغیرہ میں موجود ہے، حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا:

حَدِّثِينَا بِأَعْجَبَ مَا رَأَيْتِ مِنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا، ثُمَّ قَالَتْ: كُلُّ أَمْرِهِ كَانَ عَجَبًا، أَتَانِي ذَاتَ لَيْلَةٍ، وَقَدْ دَخَلْتُ فِرَاشِي، فَدَخَلَ مَعِي حَتَّى لَصَقَ جِلْدَهُ بِجِلْدِي، ثُمَّ قَالَ: يَا عَائِشَةُ ائْذَنِي لِي أَتَعَبَّدُ لِرَبِّي عَزَّ وَجَلَّ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَأُحِبُّ قُرْبَكَ وَأُحِبُّ هَوَاكَ. قَالَتْ: فَقَامَ إِلَى قِرْبَةٍ فِي الْبَيْتِ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا، ثُمَّ قَرَأَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ بَكَى حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّ دُمُوعَهُ بَلَغَتْ حُبْوَتَهُ، ثُمَّ جَلَسَ، فَدَعَا وَبَكَى حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّ دُمُوعَهُ بَلَغَتْ حُجْزَتَهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى يَمِينِهِ، وَجَعَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى تَحْتَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ بَكَى حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّ دُمُوعَهُ قَدْ بَلَغَتِ الْأَرْضَ، ثُمَّ جَاءَهُ بِلَالٌ بَعْدَمَا أَذِنَ، فَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَآهُ يَبْكِي قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ, تَبْكِي

وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ: وَمَا لِي لَا أَبْكِي، وَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ: {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ} الْآيَةَ، وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا، ثُمَّ لَمْ يَتَفَكَّرْ فِيهَا، وَيْحَكَ يَا بِلَالُ أَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

(شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر: ۴۶۱۸)

آپ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی نرالا اور محبوب عمل بتائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ کا کیا کہنا، آپ کا تو ہر عمل نرالا ہی ہوتا تھا، آپ شب میں سونے کے لیے میرے گھر تشریف لاتے، تھوڑی دیر سونے کے بعد کہتے: عائشہ! آج کی شب مجھے عبادت کرنے دو، چنان چہ آپ نماز پڑھنے کے ارادہ سے وضو کرتے، قیام کی حالت میں اتنا روتے کہ آنسو کے قطرات سینے پر ٹپکنے لگتے، رکوع، سجدے اور قعدے میں آپ کی یہی حالت زار رہتی، مسلسل بلکنے اور سسکنے کی آواز آتی رہتی تھی، آپ اسی حالت میں پوری رات عبادت میں مصروف رہتے، میں (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے کہا: یا رسول اللہ! اپنی حالت پر رحم کریں، اللہ نے تو آپ کے سابقہ اور لاحقہ لغزشوں کو معاف کر دیا ہے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے: کیا میں اس بات پر اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں، آخر میں کیوں کر ایسی عبادت نہ کروں جب کہ اللہ نے مجھ پر آج کی رات یہ آیت نازل فرمائی ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ

وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ.(البقرۃ،۱۹۰)

بے شک آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور رات ودن کے بارے میں آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

ان دوحدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھی پوری رات عبادت کا اہتمام کیا ہے، اور جن احادیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ نے خود کو پوری رات عبادت میں مصروف نہیں رکھا، یا آپ نے تہجد کی نماز گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھی ہے، یہ آپ کا معمول تھا؛ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں ہے۔

دوسرا جواب: اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ آپ نے کبھی پوری رات عبادت کا اہتمام نہیں کیا ہے اور تہجد کی نماز گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھی ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات میں عبادت میں جو جدو جہد اور ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے وہ کیفیت میں پوری رات عبادت میں مصروف رہنے کے مانند ہے اور اتنی بات ہمارے دعوی (عبادت میں ریاضات شاقہ محبوب عمل ہے) کے اثبات کے لیے کافی ہے؛ اس لیے کہ بدعت کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو فی نفسہ یا اس کی نظیر عہد نبوت میں موجود نہ ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبادت کے جزئیات میں سے ہر جزئی کا ثبوت ہو۔

تیسرا جواب: سلف صالحین سے جو یہ منقول ہے کہ انہوں نے کئی سال تک پوری رات خود کو عبادت میں مصروف رکھا، ان کا ہر دن ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا، ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی عبادت اگرچہ ثابت نہیں ہے؛ لیکن ان مقدس ہستیوں سے ایسی عبادت کرنا ثابت ہے جن کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے اخلاق وکردار کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس کو بدعت قرار دینا کیسے درست ہوگا؟

چھٹی دلیل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب طاقت وتوانی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے، کئی احادیث میں اس بات کا ذکر ملتا ہے، ہم یہاں چند احادیث کو نقل کرتے ہیں:

(۱) اكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ، حَتَّى تَمَلُّوا، وَإِنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهُ، وَإِنْ قَلَّ، وَكَانَ إِذَا عَمِلَ عَمَلًا أَثْبَتَهُ۔ (ابوداود، حدیث: ۱۳۶۸)

اے لوگو! تم اپنی حسب طاقت وتوانی عبادت کرو؛ کیوں کہ اللہ اجر وثواب دینے سے نہیں تھکتا؛ لیکن تم عمل صالح کرتے کرتے تھک جاؤ گے، اللہ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جسے پابندی کے ساتھ کیا جائے گو کہ وہ کمیت میں تھوڑا ہو، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی عمل صالح کا آغاز کرتے تو آپ اس کو اپنا معمول بنالیتے، وہ عمل آپ سے کبھی فوت نہیں ہوتا تھا۔

(۲) عَلَيْكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتَّى تَمَلُّوا۔ (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۷۸۵)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم حسب طاقت عمل صالح کرو؛ کیوں کہ اللہ اجر وثواب دینے سے نہیں تھکتا؛ لیکن تم عمل صالح کرتے کرتے تھک جاؤ گے۔

(۳) لَا يَتَكَلَّفُ أَحَدُكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَا يُطِيقُ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا، وَقَارِبُوا، وَسَدِّدُوا۔

(حلیۃ الاولیاء ۹/ ۲۰)

ہر شخص کو اپنی حسب طاقت عمل صالح کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ اجر وثواب دینے سے نہیں تھکتا؛ لیکن تم عمل صالح کرتے کرتے تھک جاؤ گے، بالکل سیدھے راستہ پر چلو اور راہ راست سے

نزدیک رہو۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی احادیث بہت ہیں، بعض احادیث دوسری فصل میں ذکر کی جائیں گی۔

جب احادیث سے حسب طاقت اعمال صالحہ کرنے کا جواز ثابت ہو گیا تو اب ہم کہیں گے: لوگوں کی طاقت وتوانی میں یکسانیت نہیں ہوتی ہے، ایک آدمی میں فلاں کام کرنے کی طاقت ہوتی ہے؛ لیکن دوسرے آدمی میں وہ کام کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، ایک آدمی جس تیزی سے قرآن مجید اور دیگر کتابیں پڑھ لیتا ہے اتنی تیزی سے دوسرا شخص پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، دیکھیے! حضرت سید ابوبکر بن احمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۰۵۳ھ) نے احیاء العلوم کو صرف دس دن میں پڑھ لیا، القاموس اور سفر السعادۃ کے مصنف: علامہ مجدالدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف کا صرف تین دن میں مطالعہ کرلیا تھا، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف پانچ یا چھ نشستوں میں پڑھ لی، حافظ ابوبکر خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب کا صرف تین نشستوں میں مطالعہ کرلیا تھا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابن ماجہ کا صرف چار نشستوں میں مطالعہ کرلیا تھا، اور مسلم شریف ونسائی شریف کو دس نشستوں میں پڑھ لیا تھا، ہر مجلس تقریبا چار گھنٹے کی ہوتی تھی اور معجم طبرانی صغیر کا مطالعہ ظہر کی نماز بعد شروع کیا اور عصر کی اذان تک مکمل مطالعہ کرلیا تھا۔

(خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادي عشر ۱/ ۷۲)

عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے بارے میں الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ انہوں نے الفتوحات جو دس ضخیم جلدوں میں ہے اس کا مطالعہ پانچ دن میں کیا ہے۔ (۲/ ۱۸۰)

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرآۃ الجنان میں لکھا ہے کہ بعض عابدین نے قرآن مجید اتنے وقت میں ختم کیا ہے جتنا وقت جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں لگتا ہے، اور بھی مثالیں ہیں جو تراجم پر لکھی گئی کتابوں میں موجود ہیں۔

اس میں نکتہ کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں وہ ذوق وشوق

رکھی ہے جو اس ملکوتی نفوس کے مشابہ ہوتی ہے جن کو عبادات میں جد و جہد کرنے کی وجہ سے اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا جس انسان کو کسی کام سے انسیت ہے خواہ کوئی بھی کام ہو، اس میں جد و جہد اور ہمہ وقت مصروف رہنے کی وجہ سے اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے اور جس انسان کو جس کام سے انسیت نہیں ہوتی ہے اس کام میں زیادہ انہماک کی وجہ سے اکتاہٹ اور طبیعت میں انقباض و سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس امت میں سینکڑوں علمائے کرام جیسے: امام ذہبی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی رحمہم اللہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو کارمند بنایا، لایعنی امور سے مکمل اجتناب کیا، ہمہ وقت وہ کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے؛ لیکن ان کو اس عظیم الشان کام سے انسیت ہونے کی وجہ سے اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ اس کے حرص میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا تھا، علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنا حال بیان کیا ہے کہ انہوں نے کئی راتیں کتابوں کے مطالعہ میں گزار دی؛ لیکن ان کو اس سے اکتاہٹ نہیں ہوئی۔

اللہ کا مجھ ناچیز (علامہ عبدالحی لکھنوی) پر عظیم احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے تصنیف و تالیف اور کتابوں کے مطالعہ کی لذت و چاشنی عطا فرمائی ہے، تحدیث بالنعمہ کے طور پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ میں چند گھنٹوں میں ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہوں، رات میں مغرب کے بعد آدھی رات تک تسلسل کے ساتھ (عشاء کی نماز کے وقت کے علاوہ) تصنیف و تالیف اور کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا ہوں، الحمد للہ مجھے مطالعہ میں انہماک کی وجہ سے اکتاہٹ اور طبیعت میں انقباض کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت و توانائی مختلف ہوتی ہیں، اگر کسی شخص کو کثرت عبادت کی وجہ سے اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے تو اس کو عبادات میں ریاضات شاقہ کرنی چاہیے، جیسا کہ احادیث میں اس کا ذکر ہے اور جن کو کثرت عبادت کی وجہ سے

اکتاہٹ اور طبیعت میں انقباض کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ اپنی نفل عبادات مختصر کریں اور جب تک بدن میں نشاط اور چستی رہے عبادت کریں اور جب سستی اور اکتاہٹ کی کیفیت پیدا ہوجائے تو عبادت موقوف کردیں، یہ دو صورتیں ہیں جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے اور صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور محدثین میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے عبادات میں کافی جدوجہد اور ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے؛ لہٰذا عبادت میں مطلقاً ریاضت ومشقت برداشت کرنے کو بدعت قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کو سطور بالا میں نقل کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادات میں ریاضات شاقہ کیوں نہیں کیا؟

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں؛ بلکہ تمام انبیائے کرام میں افضل اور عظیم صفات حسنہ کے حامل تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی طاقت وتوانی عطا فرمائی تھی، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَطِيعُ. (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۳۷۰)

کوئی ہے جس میں طاقت وتوانی اتنی ہو جتنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی؟

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر معمولی طاقت کے باوجود ایسی عبادت نہیں کی ہے جو سلف صالحین سے منقول ہیں، لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ عبادت میں ریاضات شاقہ خلاف سنت ہے؟

جواب: یہ بات صحیح ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غیر معمولی طاقت وتوانی تھی؛ لیکن آپ نے اپنی امت کے لیے دین میں یسر وسہولت، وسعت وکشادگی اور شفقت ومحبت کے پیش نظر عبادت میں ریاضت ومشقت کو برداشت نہیں کیا ہے، اس پر دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دو روایتیں ہیں:

(۱) إن كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ، وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ، فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ. (بخاری، حدیث نمبر: ۱۱۲۸)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض کام نہیں کیا کرتے تھے درآں حالیکہ وہ کام آپ کو محبوب ہوتے تھے، اس اندیشہ سے لوگ ان پر عمل کرنا شروع کردیں گے پھر وہ کام فرض کردیا جائے گا۔

(۲) بَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا عُمَرُ؟ فَقَالَ: هَذَا مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهِ، قَالَ: مَا أُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ، وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً. (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استنجا کرنے کے بعد باہر آئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو پانی برتن میں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: عمر! یہ پانی کیوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آپ کے وضو کرنے کے لیے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے استنجا کرنے کے بعد فورا وضو کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اگر میں ایسا کروں تو لوگ اس کو سنت سمجھ بیٹھیں گے۔

اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند رات صحابہ کرام کو تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی تھی؛ لیکن آپ نے تراویح کی نماز باجماعت ادائیگی کو ترک کردیا، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ نماز لوگوں پر فرض نہ ہوجائے۔

☆☆☆☆☆☆

چوتھا باب

ان احادیث کا تحقیقی جواب جن میں عبادات کے
اندر ریاضات شاقہ سے منع کیا گیا ہے۔

بعض احادیث کے اندر عبادت میں ریاضت ومشقت برداشت کرنے کی ممانعت آئی ہے، ایک خاص طبقہ نے ان احادیث کے پیش نظر عبادت میں ریاضات شاقہ کو بدعت قرار دیا؛ لیکن اس طبقہ سے دانستہ یا نا دانستہ غلطی ہوئی ہے، انہوں نے ان احادیث کے مطالب ومعانی اور پس منظر کو پیش نظر نہیں رکھا، بس احادیث کے ظاہری الفاظ سے اپنے موقف کو مدلل کیا ہے، ذیل میں ان احادیث کو نقل کیا جاتا ہے پھر ان کا تحقیقی اور مدلل جواب دیا جائے گا۔ (انشاءاللہ)

(۱) حضرت حولاء بنت اسدیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے، اس وقت ایک با اخلاق خاتون بھی گھر میں موجود تھی، آپ نے اس عورت کے بارے میں دریافت کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ بہت عبادت گزار عورت ہے، پوری رات نوافل، ذکر واذکار اور تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللهِ لَا يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوا، وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.
وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ أَنَّهَا امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ.
(مسلم، حدیث نمبر:۲۲۱)

لوگوں کو حسب طاقت عبادت کرنی چاہیے، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اجروثواب دینے سے نہیں تھکتا؛ لیکن تم عمل صالح کرتے کرتے تھک جاؤ گے، اللہ کو وہ عمل زیادہ محبوب اور پسندیدہ جس کو مواظبت اور پابندی کے ساتھ کیا جائے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات کا اضافہ ہے کہ وہ بنو اسد کی

خاتون تھی۔(۱)

(۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ، آپ نے ایک رسی دیکھی جو دو ستونوں کے درمیان باندھی گئی تھی ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اس طرح یہ رسی کیوں باندھی گئی ہے؟ صحابہ کرام نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت زینب رضی اللہ عنہا کثرت سے نماز اور ذکر واذکار کا اہتمام کرتی ہیں، جب وہ عبادت میں انہماک کی وجہ سے تھک جاتی ہیں تو وہ اپنی تھکاوٹ اور سستی کے ازالہ کے لیے اس رسی کو پکڑ کر جھولتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا:

حُلُّوهُ، لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا كَسِلَ، أَوْ فَتَرَ قَعَدَ. (مسلم شریف، حدیث نمبر:۲۱۹)

اس رسی کو ہٹاؤ، ہر شخص کو اپنی عبادت اس وقت تک جاری رکھنی چاہیے جب تک بدن میں نشاط اور چستی رہے، اور جب طبیعت میں فتور اور سستی پیدا ہو جائے تو عبادت کو موقوف کر دے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صلّى الله عليه وسلم الْمَسْجِدَ، وَحَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ سَارِيَتَيْنِ، فَقَالَ:مَا هَذَا الْحَبْلُ؟ فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذِهِ حَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ

---

(۱) یہ روایت مسلم میں متعدد سندوں سے، اسی طرح بخاری شریف، حدیث نمبر:۱۱۵۱، نسائی شریف ، حدیث نمبر:۱۶۴۲ میں بھی ہے، ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو نقل کیا ہے؛ لیکن چوں کہ ان سب روایات کا مفہوم ایک ہی ہے، صرف الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ اس لیے طوالت سے بچتے ہوئے ان کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

تُصَلِّي، فَإِذَا أَعْيَتْ تَعَلَّقَتْ بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِتُصَلِّ مَا أَطَاقَتْ، فَإِذَا أَعْيَتْ، فَلْتَجْلِسْ، قَالَ زِيَادٌ: فَقَالَ: مَا هَذَا؟ فَقَالُوا: لِزَيْنَبَ تُصَلِّي، فَإِذَا كَسِلَتْ، أَوْ فَتَرَتْ أَمْسَكَتْ بِهِ، فَقَالَ: حُلُّوهُ، فَقَالَ: لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا كَسِلَ أَوْ فَتَرَ، فَلْيَقْعُدْ. (حدیث نمبر: ١٣١٢)

اس حدیث پاک کا وہی مفہوم ہے جو سابق میں بیان کیا گیا ہے؛ البتہ فرق یہ ہے کہ اس حدیث کو اسماعیل بن ابراہیم سے نقل کرنے والے دو راوی ہیں: (١) زیاد بن ایوب (٢) ہارون بن عباد، پہلے راوی نے عابدہ کا نام حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ذکر کیا ہے، جب کہ دوسرے راوی نے عابدہ کا نام زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ذکر کیا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث پاک میں جس راوی نے عابدہ کا نام حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ذکر کیا ہے، وہ غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ عابدہ کا نام زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہے، جیسا کہ سابق میں بیان کی گئی تینوں احادیث میں راویوں نے عابدہ کا نام زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ذکر کیا ہے۔

صلوۃ معکوس کا حکم

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ شریعت اسلام میں صلوۃ معکوس بے بنیاد ہے، جاہلوں کی ایجاد کی ہوئی نماز ہے؛ اس لیے کہ جب سستی اور طبیعت میں انقباض کی کیفیت پیدا ہونے کے بعد عبادت کو موقوف اور آرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس سستی کے ازالہ کے لیے کسی تدبیر کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے تو صلوۃ معکوس بدرجہ اولیٰ ناجائز اور بدعت ہوگی؛ اس لیے کہ یہ نماز قواعد شرعیہ کے خلاف ہے، جیسا کہ محدث حسن علی ہاشمی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابوداود کے حاشیہ میں اس بات کو نقل کیا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا: لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم رات میں نوافل اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی، یا رسول اللہ! میں ایسا ہی کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا:

فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ، وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ. (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۱۵۳)

عبداللہ! اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا جسمانی نقصان ہوگا کہ آنکھیں دھنس جائیں گی اور تم کمزور ہو جاؤ گے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحت کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے اور اہل وعیال کی خبر گیری کرنا اور ان کی ضروریات کی تکمیل کرنا بھی ضروری ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن حسب معمول کھانا کھاؤ، اور رات کو دو حصوں میں تقسیم کرو: ایک حصہ عبادت کے لیے رکھو اور دوسرا حصہ سونے کے لیے۔

مسلم شریف میں ہے:

كُنْتُ أَصُومُ الدَّهْرَ وَأَقْرَأُ الْقُرْآنَ كُلَّ لَيْلَةٍ، قَالَ: فَإِمَّا ذُكِرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِمَّا أَرْسَلَ إِلَيَّ فَأَتَيْتُهُ، فَقَالَ لِي: أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ الدَّهْرَ وَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ كُلَّ لَيْلَةٍ؟ فَقُلْتُ: بَلَى، يَا نَبِيَّ اللهِ، وَلَمْ أُرِدْ بِذَلِكَ إِلَّا الْخَيْرَ، قَالَ: فَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ مِنْ

كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ فَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا قَالَ: فَصُمْ صَوْمَ دَاوُدَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهُ كَانَ أَعْبَدَ النَّاسِ قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، وَمَا صَوْمُ دَاوُدَ؟ قَالَ: كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ: وَاقْرَأْ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَاقْرَأْهُ فِي كُلِّ عِشْرِينَ، قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَاقْرَأْهُ فِي كُلِّ عَشْرٍ قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَاقْرَأْهُ فِي كُلِّ سَبْعٍ، وَلَا تَزِدْ عَلَى ذَلِكَ، فَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا قَالَ: فَشَدَّدْتُ، فَشُدِّدَ عَلَيَّ. قَالَ: وَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي لَعَلَّكَ يَطُولُ بِكَ عُمُرٌ قَالَ: فَصِرْتُ إِلَى الَّذِي قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا كَبِرْتُ وَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ قَبِلْتُ رُخْصَةَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہر دن روزہ رکھتا تھا اور ہر شب ایک قرآن پاک ختم کیا کرتا تھا، کسی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے اس عمل کی اطلاع دی تو آپ نے مجھے بلا بھیجا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو

آپ نے مجھ سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے تا حیات دن میں روزہ اور ہر رات میں ایک قرآن ختم کرنے کا معمول بنایا ہے؟ میں نے کہا: جی، یا رسول اللہ! میری نیت بس اللہ کی رضا جوئی وخوشنودی حاصل کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا: پیارے عمرو! تم ہر ماہ صرف تین دن روزہ رکھو، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ عبادت کرنے کا خواہشمند ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحت کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے نیز اہل وعیال کی ضروریات کی تکمیل اور واردین کی حسب استطاعت ضیافت کرنا بھی ضروری ہے، اگر تم اس سے زیادہ عبادت کرنا چاہتے ہو تو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح روزہ رکھو؛ کیوں کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے والے تھے، میں نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کیسے روزہ رکھا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا: وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار (کھانا) کرتے تھے، اور تم (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) ہر ماہ ایک قرآن ختم کرو، میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اس سے زیادہ عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا: ہر دس دن میں ایک قرآن ختم کرو، میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ دس دن میرے لیے بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا: ہر سات دن میں ایک قرآن ختم کرو، اور اس سے زیادہ اپنے آپ کو مشقت میں مت ڈالو؛ کیوں کہ صحت کی حفاظت کرنا، اہل وعیال کی ضروریات کی تکمیل کرنا اور مہمان

کی حسب استطاعت ضیافت کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے سختی کی، پھر مجھ پر سختی کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ تو نہیں جانتا شاید کہ تیری عمر لمبی ہو، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر میں اس عمر تک پہنچ گیا جس کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشاندہی کی تھی اور جب میں بوڑھا ہوگیا تو میری یہ دلی خواہش ہونے لگی کہ کاش میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی رخصت کو قبول کر لیتا۔(۱)

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو، أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَكَلَّفْتَ قِيَامَ اللَّيْلِ وَصِيَامَ النَّهَارِ؟. قَالَ: قُلْتُ: إِنِّي أَفْعَلُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: إِنَّ مِنْ حَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِذَا أَنْتَ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهُ، فَغَلَّظْتُ فَغُلِّظَ عَلَيَّ، فَقُلْتُ: إِنِّي أَجِدُنِي أَقْوَى مِنْ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: إِنَّ أَعْدَلَ الصِّيَامِ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ صِيَامُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: فَأَدْرَكَنِي الْكِبَرُ وَالضَّعْفُ حَتَّى وَدِدْتُ أَنِّي غَرِمْتُ مَالِي وَأَهْلِي وَأَنِّي قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

---

(۱) مسلم شریف میں یہ روایت متعدد طرق سے نقل کی گئی ہے، ابوالحسنات مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام کو نقل کیا ہے؛ چوں کہ ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے، صرف الفاظ میں اختلاف ہے؛ اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ.(۱/ ۲۸۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور کہنے لگے: پیارے عبداللہ! کیا تم مسلسل روزہ رکھتے ہو اور پوری رات عبادت میں مصروف رہتے ہو؟ میں نے کہا: جی، یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: تم بس ہر ماہ تین روزے رکھ لیا کرو، تم کو پوری عمر روزہ رکھنے کا ثواب مل جائے گا، (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے سختی کی، پھر مجھ پر سختی کی گئی، میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ عبادت کرنے کی طاقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اللہ کو سب سے زیادہ محبوب روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کبرسنی کو پہنچ گیا اور قویٰ کمزور ہو گئے تو میں تمنا کرنے لگا کہ میرا جانی و مالی نقصان ہو جاتا؛ لیکن کاش نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دی گئی رخصت (ہر ماہ تین روزے رکھنے کا حکم) کو قبول کر لیتا۔(۱)

(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے اور انہوں نے میری اہلیہ کو میلے کپڑوں میں ملبوس دیکھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ ایسی حالت میں ہیں؟ اس خاتون نے کہا: آپ کے

---

(۱) یہ حدیث ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۳۸۹، نسائی حدیث نمبر: ۲۱۷۴اور ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۷۱۲ میں مختلف سندوں سے مروی ہے، الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن تمام احادیث کا مفہوم ایک ہی ہے۔

بھائی (ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، یہاں دینی بھائی مراد ہے) کا میلان عورتوں کی طرف نہیں ہے، دیکھو! وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور پوری رات عبادت میں مصروف رہتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اوران سے کہا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری اہلیہ کا تجھ پر حق ہے، نماز پڑھواور آرام بھی کرو، روزہ رکھواور افطار بھی کرو، جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ بات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے اور کہا:

لَقَدْ أُوتِيَ سَلْمَانُ مِنَ الْعِلْمِ. (حلیۃ الاولیاء ۱/ ۱۸۷)

قسام ازل کی طرف سے سلمان کو وافر علم عطا کیا گیا ہے۔

(۵) چند صحابہ کرام کا خود کو ہمہ وقت عبادت میں مصروف رکھنے کی قسم کھانا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت وریاضت پوچھنے کے ارادہ سے ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے گئے، جب ان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقوی وللّٰہیت اور عبادت وریاضت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا، اور کہا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا کہنا، اللہ نے تو آپ کی اگلی پچھلی سب کوتاہیاں معاف کردی ہیں، (یعنی ہمارے لیے اتنی عبادت کافی نہیں ہے) ان میں سے ایک نے کہا: میں اب رات بھر نفلیں پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں تادم حیات مسلسل نفل روزے رکھوں گا، اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا، ان سے کبھی نکاح نہیں کروں گا، یہ بات ہورہی تھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

انْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۵۰۶۳)

آپ لوگوں نے یہ اور یہ باتیں کہی ہیں! سنو!، بخدا! میں تم سے
زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، اور تم سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں؛
مگر میں نفل روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور نفلیں پڑھتا
بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح (مقاربت)
کرتا ہوں، جو میرے طریقہ سے روگردانی کرے گا، اس کا مجھ
سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عمدۃ القاری میں ان تین صحابہ کرام کے نام ذکر کیے گئے ہیں: علی مرتضی، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم۔ (۲۰ / ۶۵)

نسائی شریف میں بھی یہ حدیث مذکور ہے؛ لیکن اس میں یہ اضافہ ہے:

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا آكُلُ اللَّحْمَ. (حدیث نمبر: ۳۲۱۷)

کسی نے کہا: میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔

یہ روایت مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۰۱ میں بھی ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنے مراسیل میں اور علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اس آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ" (مائدہ، ۸۷) (اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ اشیاء کو حرام مت کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے) کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

نَزَلَتْ فِي عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ وَأَصْحَابِهِ، كَانُوا حَرَّمُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ كَثِيرًا مِنَ الشَّهَوَاتِ وَالنِّسَاءِ، وَهَمَّ بَعْضُهُمْ أَنْ يَقْطَعَ ذَكَرَهُ. (المراسیل لابی داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۱)

مذکورہ بالا آیت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے
ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان حضرات نے
عورتوں سے نکاح اور بہت سی حلال مرغوب چیزوں کو حرام کرلیا

تھا، بعض نے تو اپنے عضو خاص کو کاٹنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

كان أناس مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عليه وسلم - همُّوا بالخصاء وتَرْك اللحم والنساء، فنزلت هَذِهِ الْآيَةُ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ.

(التفسير من سنن سعيد بن منصور ۴/۱۵۱۷)

چند صحابہ کرام نے اپنے خاص عضو کو کاٹنے، گوشت چھوڑنے اور عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا عزم مصمم کیا تھا، اللہ نے یہ آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" (اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ اشیاء کو حرام مت کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے اور شرعی حدود سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ تعالی ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے جو شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہیں) نازل فرمائی۔

علامہ ابن جریر، عبد الرزاق اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہم حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

أراد ناس مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى الله عليه وسلم أن يرفضوا الدنيا، ويتركوا النساء ويترهّبوا، فقام رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم، فغلَّظ فيهم المقالة، ثم قال: إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بالتشديد، شدَّدوا فشُدِّد عليهم، فأولئك

بقاياهم الديار والصوامع، اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئًا، وحجوا واعتمروا، فاستقيموا يُستقم لكم، قال: ونزلت فيهم: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لكم}۔

(التفسیر من سنن سعید بن منصور ۴ / ۱۵۱۷)

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چند اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے کنارہ کشی اور عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا ارادہ کرلیا، اور رہبانیت کو ترجیح دی، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے افراد پر بہت غصہ ہوئے، اور کہا: سابقہ قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں، انہوں نے عبادات میں سخت پہلو کو ترجیح دی، پس اللہ نے بھی ان کو سخت احکام کا مکلف بنایا، دیکھو! گرجا گھروں اور کلیساؤں میں اب تک رہبانیت کے آثار وعلامات موجود ہیں، تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، حج اور عمرہ کرو، اور عبادات میں اعتدال رکھو، کامیاب ہوجاؤ گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" (مائدۃ، ۸۷) نازل ہوئی ہے۔

امام عبدالرزاق اور علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہما حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" چند اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی، عورتوں سے ترک تعلق اور رہبانیت کو

اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔(۷/۷)

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

حضرت سدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن مجلس میں مؤثر تقریر فرمائی جس میں ترہیب اور وعید ہی کے مضامین تھے، جب تقریر ختم ہوگئی تو۔۔۔ دس صحابہ کرام جن میں حضرت علی مرتضیٰ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما پیش پیش تھے۔۔۔ نے کہا: دیکھو! نصاریٰ نے (اللہ کی رضا جوئی کے لیے) کچھ حلال چیزوں کو حرام کرلیا تھا، ہم بھی گوشت اور چربی کو اپنے اوپر حرام کرلیتے ہیں، ایک نے کہا: میں رات بھر عبادت میں مصروف رہوں گا کبھی آرام نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ کے لیے عورتوں سے ترک تعلق کرتا ہوں، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اہلیہ سے ترک تعلق کا فیصلہ کرلیا تھا، ایک دن ان کی بیوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: آپ کو آخر کیا ہوا ہے، چہرہ اداس اداس ہے، کیا آپ سر میں کنگھی نہیں کرتی ہیں، خوشبو نہیں لگاتی ہیں؟ اس خاتون نے جواب دیا: اماں! کیسے خوشبو لگاؤں اور سر میں کنگھی کروں، میرا شوہر تو میرے پاس آتا ہی نہیں ہے، کپڑا اس طرح اٹھاتا بھی نہیں ہے، عورتیں ان کی یہ بات سن کر ہنسنے لگیں، اتنے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی، ان عورتوں نے کہا: یارسول اللہ! حضرت حولاء رضی اللہ عنہا گھر میں آئی ہوئی ہیں، ہم نے ان سے خیر و عافیت پوچھی تو انہوں نے کہا: میرا شوہر میرے کپڑے تک نہیں اٹھاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا ہوگیا عثمان! انہوں نے کہا: میں نے اپنی بیوی سے ترک تعلق عبادت میں یکسوئی کے لیے کیا ہے اور اپنا واقعہ بیان کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عضو خاص کو ضائع کرنے کا بھی فیصلہ کرچکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: ابھی فوراً اپنے گھر جاؤ اور اپنی اہلیہ کے ساتھ آرام کرو، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں

روزے سے ہوں، آپ نے کہا: روزہ توڑ دو، چنان چہ انہوں نے اپنا روزہ توڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی، دوسرے دن حضرت حولاء رضی اللہ عنہا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی، بہت خوش خوش تھی، سرمہ لگائے ہوئی تھی، سر کے بال سلیقے سے تھے اور کپڑوں سے اچھی خوشبو پھوٹ رہی تھی، جب ان پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نظر پڑی تو مسکرانے لگی اور ان سے کہا: بتاؤ، اب سب کچھ ٹھیک ہے، انہوں نے کہا: اماں! بہت خوش ہوں۔(الدر المنثور ۳/۱۴۱)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: معلوم نہیں لوگوں کو کیا ہوگیا؟ وہ کیوں اپنے اوپر بیویوں سے ترک تعلق، کھانا اور سونے کو حرام کر لیتے ہیں؟ سنو! میں رات میں نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ سے روگردانی کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ کا یہ قول: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

علامہ ابن جریر، ابن المنذر اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہم حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَعَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَابْنَ مَسْعُودٍ وَالْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ وسالما مولى أبي حذيفة في أصحابه تَبَتَّلُوا، فَجَلَسُوا فِي الْبُيُوتِ، وَاعْتَزَلُوا النِّسَاءَ، وَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ الطَّعَامِ وَاللِّبَاسِ، وَهَمُّوا بالاختصاء، وأجمعوا لقيام الليل، وصيام النهار، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ فبعث إِلَيْهِم رَسُول الله

صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقَالَ: إِن لأنفسكم حَقًا ولأعينكم حَقًا وَإِن لأهلكم حَقًا فصلوا وناموا وأفطروا فَلَيْسَ منا من ترك سنتنا.

(الدر المنثور ۳/ ۱۴۲)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام: عثمان بن مظعون، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، مقداد بن اسود اور حذیفہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہم نے اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دنیا سے مکمل کنارہ کشی کا فیصلہ کرلیا، اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، اپنی شریک حیات سے ترک تعلق کرلیا، مرغوب غذائیں اور عمدہ کپڑوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا، حتی کہ انہوں نے اپنے عضو خاص کو ضائع کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا تھا اور پوری رات عبادت کرنے اور ہر دن روزے رکھنے کی قسم کھا چکے تھے، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت "لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُم" نازل ہوئی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام صحابہ کو بلایا اور ان سے کہا: صحت کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے، اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کو بحسن وخوبی پورا کرنا بھی ضروری ہے؛ اس لیے تم رات میں عبادت بھی کرو اور آرام بھی کرو، مہینے میں چار پانچ روزے رکھ لینا کافی ہے، جو شخص میرے طریقہ سے روگردانی کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

معترض کہتا ہے: مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں عبادات کے اندر ریاضات شاقہ محبوب اور پسندیدہ نہیں ہیں اور شریعت مطہرہ کے روح

کے خلاف ہیں، اب تو ان روایات کا معقولی جواب دینا ضروری ہے، علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سابق میں نصوص، فقہی عبارات کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ دین میں حسب طاقت عبادت میں ریاضت ومشقت برداشت کرنا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مستحب ہے، نیز آپ نے سلف صالحین کے واقعات کو بھی ذکر کیا ہے جن سے دین میں ریاضات شاقہ کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔اب علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اللہ ان روایات کا تحقیقی اور معقولی جواب دے رہے ہیں جن روایات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ریاضات شاقہ پسندیدہ نہیں ہیں۔

حضرت حولاء بنت اسدیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب

حدیث پاک کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حولاء رضی اللہ عنہا کو کثرت عبادت سے منع نہیں کیا ہے؛ بلکہ آپ نے ان کو یہ ہدایت دی ہے کہ حسب طاقت اعمال صالحہ کرو اور جب عبادت میں انہماک کی وجہ سے سستی اور طبیعت میں انقباض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو عبادت کو موقوف کر دو۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی سستی اور انقباضی کیفیت کو مخصوص تدبیر سے ازالہ کر رہی تھیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس عمل سے منع فرمایا ہے، کثرت عبادت سے ان کو نہیں روکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جواب

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے تادم حیات پوری رات عبادت اور دن میں روزہ رکھنے کو لازم کرلیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس عمل میں تخفیف کا حکم دیا تھا اور آپ نے ایک وجہ یہ بیان فرمائی کہ صحت کی حفاظت اور اہل وعیال کی ضروریات کی تکمیل کرنا بھی دین کا حصہ ہے، اور دوسری وجہ یہ بیان کی کہ اگر تم تادم زیست ایسی عبادت کروگے تو تمہاری بینائی کمزور ہو جائے گی اور اعضاء رئیسہ بہت جلد کمزور ہو جائیں

گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ذکر کردہ دو وجوہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین اسلام میں عبادت کے اندر اتنی ریاضت ومشقت برداشت کرنا ممنوع ہے کہ صحت کافی متاثر ہوجائے یا دوسرے کی حق تلفی ہو؛ لیکن حدیث پاک سے یہ بات ہرگز معلوم نہیں ہوتی ہے کہ عبادت میں حسب طاقت ریاضت ومشقت برداشت کرنا بھی ممنوع ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے عبادت میں اتنی ریاضت ومشقت برداشت کرنے کا التزام کرلیا تھا کہ ان سے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہورہی تھی، اسی وجہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کو ٹوکا، ظاہر ہے کہ ہم (اہل السنہ والجماعہ) بھی اس کے عدم جواز کے قائل ہیں؛ لیکن اس روایت سے یہ بات ثابت کرنا کہ عبادت میں مطلقا ریاضت ومشقت برداشت کرنا ممنوع ہے، صحیح نہیں ہے، حدیث کی اس بات پر دلالت ہی نہیں ہے۔

عثمان بن مظعون، علی مرتضی وغیرہ صحابہ کرام کی حدیث کا جواب

جب ازواج مطہرات نے چند صحابہ کرام کے استفسار پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب بیداری، وآہ سحر گاہی کو بتایا تھا تو انہوں نے اپنے اس عمل کو کم سمجھا اور آپس میں کہنے لگے: آپ کا کیا کہنا، آپ تو اتنی بابرکت اور عظیم ہستی ہیں کہ خالق دوجہاں نے آپ کی سابقہ اور لاحقہ تمام لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کردیا ہے، اوران حضرات نے محض اللہ کی رضا جوئی وخوشنودی حاصل کرنے کے ارادہ سے چند مباح امور کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، ان کی زجر وتوبیخ کی اور ان سے واضح الفاظ میں کہا: "من رغب عن سنتي فليس مني" (جو شخص میری سنت کے علاوہ دوسرے امور کو اختیار کرے گا یہ سمجھ کر یہ بہتر اور اچھا ہے تو وہ سن لے کہ میں اس سے بری ہوں، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔) لیکن اس روایت سے یہ بات حدیث کے اشارۃ النص سے بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ دین اسلام میں

مطلقا ریاضات شاقہ ممنوع ہے۔

یہاں ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ پیر علی برکوی برکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شاہکار تصنیف "الطریقة المحمدیة" سے ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، جس میں موصوف نے منطقی انداز میں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ صالحین کے مجاہدات وریاضات شاقہ مذکورہ بالا احادیث کے ہرگز خلاف نہیں ہے، راقم نے اس عبارت کا جو مفہوم سمجھا ہے اس کو اختصار کے ساتھ قلم بند کرتا ہے:

عبادات دو قسم کی ہیں: (۱) ظاہری عبادات (۲) باطنی عبادات

ان دونوں میں مقصود باطنی عبادات ہیں، ظاہری عبادات پر عمل آوری باطنی قوت کے اضافہ کے لیے ہی ہوتی ہے؛ چنان چہ جو کاملین ہوتے ہیں ان کی ظاہری عبادات کوتاہ بین کو قلیل نظر آتی ہیں؛ کیوں کہ اس کی نظر باطنی عبادات کی طرف نہیں جاتی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اکمل تھے؛ اس لیے ظاہری عبادات میں آپ نے ریاضات شاقہ نہیں فرمائی، یہ جہاں اکمل ہونے کی بنا پر تھا وہیں امت کے حق میں نرمی اور سہولت پیدا کرنے کی غرض سے بھی تھا۔

صحابہ کرام اور صالحین سے جو یہ منقول ہے کہ انہوں نے عبادت میں یسر و آسانی کے پہلو کو اختیار کرنے کے بجائے تشدد و سختی کے پہلو کو ترجیح دی ہے اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں:

(۱) انہوں نے ایسا روحانی علاج کے ارادہ سے کیا ہو۔

(۲) عبادات وطاعات ان کی عادت اور طبیعت ثانیہ بن گئی ہو، چنان چہ ان کو اس میں وہ لذت و چاشنی محسوس ہونے لگی جو ایک عام انسان کو مرغوب غذائیں اور میوہ جات میں ہوتی ہے۔

بعض مشائخ عظام کا قول ہے:

من رآنی الآن صار زندیقا ومن رآنی قبل صار صدیقا.

جو شخص میری موجودہ حالت پر نظر کرے گا تو وہ زندیق
ہو جائے گا اور جو میری سابقہ حالت پر نظر کرے گا تو وہ میرا
دوست بن جائے گا۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ منتہی (ولی) ابتدا میں عبادات میں خوب ریاضتیں اور مجاہدے کرتا ہے؛ لیکن آخر میں اسی منتہی کی حالت بالکل مبتدی (عام مؤمن) کی حالت کے مشابہ ہو جاتی ہے، جیسے ایک عام مؤمن فرائض و واجبات کو انجام دیتا ہے اور حسب سہولت کبھی کبھی نوافل پڑھ لیتا ہے، اسی طرح ایک منتہی بھی محض انہی ظاہری عبادات پر اکتفا کرتا ہے، اس کی زندگی میں بظاہر کوئی ایسی خاص چیز نہیں ہوتی ہے جو اس کو عام مؤمنین سے ممتاز کرے، چنانچہ جو شخص اس منتہی کی ابتدائی حالت کو دیکھتا ہے تو وہ اس کا دوست اور معتقد ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کی آخری حالت کو دیکھتا ہے تو وہ اس سے بدگمان ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ تصوف و احسان جو دین کا اہم شعبہ ہے، کا انکار کر بیٹھتا ہے اور گمراہی کی دل دل میں پھنس جاتا ہے۔

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ الطریقۃ المحمدیۃ کی شرح الحدیقۃ الندیۃ میں لکھتے ہیں:

اس امت کے صالحین اور اولیائے کرام سے دین حق کے تئیں جو ریاضات شاقہ اور مجاہدے منقول ہیں وہ نصوص کے خلاف نہیں ہیں؛ بلکہ کتاب وسنت میں اس کا ایسے شخص کے لیے مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور وہ اس کی وجہ سے کسی حق شرعی میں سستی و کوتاہی کا مرتکب نہ ہو؛ اس لیے کہ یہ (دین کے اندر ریاضات شاقہ) نفل عمل ہے جو عند اللہ موجب اجر و ثواب اور رفع درجات کا سبب ہوتا ہے؛ لیکن جو حضرات کسی عذر کی بنا پر عبادات میں ریاضت و مشقت برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں یا ان میں عبادت میں مصروف رہنے کی وجہ سے سستی اور انقباضی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ نوافل میں اعتدال اور یسر و آسانی کو ترجیح دیں۔

الغرض دین اسلام میں جہاں نوافل میں اعتدال اور یسر و آسانی کو اختیار کرنے کا

حکم ہے وہیں باہمت اور قوی حضرات کے لیے نوافل میں ریاضات شاقہ اور مجاہدے کی بھی ترغیب دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔ (آل عمران، ۱۰۲)

تم اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے۔

دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن، ۱۶)

جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْبُطُ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِہٖ مِنَ الْغَرَثِ۔ (معجم ابن الاعرابی، حدیث نمبر: ۲۱)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صوم وصال (دو یا زیادہ دنوں کو ملا کر روزے رکھنا، رات میں بھی سحر و افطار نہ کرنا) رکھتے تھے اور آپ شدت بھوک (کھانا نہ ملنے کی صورت میں) کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات میں نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۸۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰہُ لَكُمْ. (المائدہ، ۸۷)

اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں تم ان کو حرام قرار نہ دو۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت میں جو اشیاء مباح اور جائز ہیں ان کو اسی

حالت پر رکھو، ان کو حرام و ناجائز مت سمجھو؛ البتہ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح نفس اور زہد وتقوی کی صفت سے آراستہ ومزین ہونے کے ارادہ سے کسی مباح چیز کو چھوڑ دے اور اس کو حرام نہ سمجھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، شریعت اسلام میں اس کی گنجائش رکھی گئی ہے، اسی طرح اللہ قرآن مجید میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ (الاعراف، ۳۲)

اے محمد! آپ یہ کہہ دیجیے کہ: آخر کون ہے جس نے زینت کے اس سامان قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور اسی طرح پاکیزہ اشیاء کو؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔

(بخاری، حدیث نمبر: ۵۰۶۳)

جو شخص میرے طریقہ سے روگردانی کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص میرے کیے ہوئے اعمال کے جواز کا منکر ہو اور میری دی ہوئی رخصت کو رد کر دے اور اس کے مقابلہ میں تشدد وسختی کے پہلو کو ترجیح دے تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جو شخص ان نصوص کا باریک بینی سے مطالعہ کرے گا تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ دونوں (دین میں یسر وآسانی یا ریاضات شاقہ ومجاہدے) صورتیں شارع اسلام کی طرف سے امت کو شفقت ومہربانی کے طور پر دی گئی ہیں۔ (الحدیقۃ الندیۃ ۱/۲۸۸)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت اسلام میں ہر عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں: (۱) رخصت، اس کو اعتدال اور یسر وآسانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) عزیمت، اس کو

ریاضات شاقہ اور مجاہدے سے تعبیر کیا جاتا ہے،اس امت کے صالحین اور اولیائے کرام نے اپنے لیے اعمال میں عزیمت کو ترجیح دی ہے؛ کیوں کہ وہ پختہ عزم اور حوصلہ وہمت والے تھے؛لیکن اس کے ساتھ وہ اعمال میں رخصت اور یسر وآسانی کے صحت کے بھی معترف تھے اور عوام کو اسی کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے،جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی رخصت پر عمل کیا کرتے تھے اور کبھی عزیمت پر۔

حضرت زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ،
فَقِيلَ لَهُ: غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ،
قَالَ: أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

(بخاری،حدیث نمبر:۴۸۳۶)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا، جب کوئی آپ کی یہ حالت دیکھ کر کہتا کہ یارسول اللہ! اللہ نے تو آپ کی تمام سابقہ اور لاحقہ لغزشوں کو معاف فرمادیا ہے؛ لہٰذا عبادت میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بن جاؤں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف کتاب ارشاد الساری فی صحیح البخاری میں اس حدیث اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عبادات میں اتنی جد و جہد اور ریاضت ومشقت برداشت کرنا کہ بدن کو جسمانی نقصان پہنچے جائز؛ بلکہ افضل ہے؛اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معصوم ہونے کے باوجود مزید یہ کہ اللہ نے آپ کو سابقہ اور لاحقہ لغزشوں کو معاف کردینے کا مژدہ بھی سنادیا ہے پھر بھی آپ نے عبادت میں جو ریاضت ومشقت برداشت کیا ہے وہ بیان سے باہر ہے،تو ایک امتی کے لیے۔۔۔ جسے

پتہ ہی نہیں کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا یا نہیں اور اگر خاتمہ بالخیر ہو جائے تو جنت میں اس کو دخول اولی نصیب ہوگی یا نہیں؟ ۔۔۔۔عبادات میں ریاضت ومشقت برداشت کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا؟ لیکن اس میں یہ قید ضرور ہے کہ جب عبادت میں انہاک کی وجہ سے اکتاہٹ اور طبیعت میں انقباض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو چستی وپھرتی آنے تک عبادت کو موقوف رکھنا چاہیے؛ لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبادت کی وجہ سے جسمانی نقصان ہونے کے باوجود یہ حالت (ملال واکتاہٹ) پیدا نہیں ہوتی تھی؛ اس لیے کہ اللہ نے آپ کو غیر معمولی طاقت وتوانی عطا فرمائی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے نماز کو اپنی آنکھ کی ٹھنڈک قرار دیا۔(۲/۳۸۰)

سلف صالحین اور قرآن مجید

سلف صالحین قرآن مجید کتنے ایام میں ختم کیا کرتے تھے؟ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ان کی عادات مختلف رہی ہیں:

(۱) بعض حضرات دو ماہ میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۲) بعض حضرات ہر ماہ میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۳) بعض حضرات آٹھ ایام میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۴) بعض حضرات سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے، یہ تو اکثر سلف صالحین کا معمول رہا ہے۔

(۵) بعض حضرات چھ دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۶) بعض حضرات پانچ دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۷) بعض حضرات چار دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۸) بعض حضرات تین دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۹) بعض حضرات ہر دن ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(۱۰) بعض حضرات ہر دن دو مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

(۱۱) بعض حضرات ہر دن تین مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

(۱۲) بعض حضرات ہر دن آٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے

(۱۳) بعض حضرات دن میں چار مرتبہ اور رات میں چار مرتبہ، علامہ ابوعلی ابن الکاتب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی انہی خوش نصیب افراد میں ہوتا ہے کہ وہ ہر دن آٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پوری رات عبادت کرنا یا ایک دن میں ایک یا ایک سے زائد مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا یا ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھنا اور ان جیسی ریاضات شاقہ اور شدید مجاہدے بدعت نہیں ہیں؛ بلکہ از روئے شرع چند شرائط کے ساتھ مستحسن ہیں۔

ریاضات شاقہ کے شرائط

(۱) جب تک بدن میں نشاط اور چستی رہے عبادت میں ریاضت ومشقت برداشت کیا جائے اور جب عبادت کی لذت وچاشنی اور استحضار قلبی ختم ہوجائے تو عبادت کو موقوف کردیا جائے؛ اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ. (بخاری، حدیث نمبر:۱۱۵۰)

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عبادت اس وقت تک کی جائے جب تک بدن میں چستی وپھرتی اور طبیعت میں سرور رہے اور جب طبیعت میں انقباضی کیفیت پیدا ہوجائے تو عبادت کو موقوف کردیا جائے۔

(۲) عبادت میں مجاہدہ حسب طاقت کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

خُذُوا مِنَ الأَعْمَالِ مَا تُطِيقُون.

(بخاری، حدیث نمبر:۵۸۶۱)

ہر شخص کو نفلی عبادات حسب طاقت کرنی چاہیے۔

(۳) عبادت میں ریاضت ومشقت برداشت کرنے کی وجہ سے دین کے ایسے امورفوت نہ ہوں جواس (جس عبادت میں مصروف ہے) سے مہتم بالشان ہیں، جیسے: اگر پوری رات یا نصف رات تک عبادت میں مصروف رہنے کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہونے لگے تو پوری رات عبادت یا آدھی رات تک عبادت کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس عبادت کو مختصر کرے؛ اس لیے کہ فرائض نوافل سے اہم ہیں،حضرت ابوبکر بن سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إنَّ عمرَ بنَ الخطّابِ فقدَ سُلَيمانَ بنَ أبي حَثمةَ في صلاةِ الصُّبحِ، وإنَّ عمرَ غدا إلى السُّوقِ، ومسكنُ سُلَيمانَ بينَ المسجدِ والسُّوقِ، فمرَّ على الشِّفاءِ أمِّ سُلَيمانَ فقالَ لَها: لم أرَ سُلَيمانَ في الصُّبحِ؟! فقالت: إنَّهُ باتَ يصلِّي فغلبتهُ عيناهُ، فقالَ عمرُ: لأن أشهدَ صلاةَ الصُّبحِ في جماعةٍ أحبُّ إليَّ من أقومَ ليلةً.

(الترغیب والترہیب،حدیث نمبر: ۶۱۳)

حضرت ابوبکر بن سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز مسجد میں باجماعت ادانہیں کی ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشراق کی نماز پڑھنے کے بعد بازار کا رخ کیا،آپ کا راستہ میں میرے والد ماجد کی والدہ سے آمنا سامنا ہوگیا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے کہا کہ آج میں نے فجر کی نماز میں آپ کے صاحبزادے سلیمان کو نہیں دیکھا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ وہ پوری رات عبادت میں مصروف رہے ، جب فجر کا وقت ہوگیا تو وہ اپنی تھکان دور کرنے کے ارادہ سے بستر پر لیٹے ہی تھے کہ ان کو نیند

آ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: فجر کی نماز باجماعت پڑھنا پوری
رات نوافل اور ذکر و اذکار کرنے سے بہتر ہے۔

اسی طرح کوئی شخص رات میں عبادت اور دن میں روزہ کا اہتمام کرتا ہے جس کی وجہ سے فرائض میں نشاط و چستی نہیں رہتی ہے اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف وغیرہ اہم دینی امور میں خلل ہوتا ہے تو ایسی عبادت میں اختصار یا ترک کر دینی چاہیے۔

(۴) عبادت میں ریاضت و مشقت برداشت کرنے کی وجہ سے کوئی شرعی حق فوت نہ ہو، جیسے: بیوی بچوں کا حق وغیرہ۔

(۵) عبادات میں ریاضات شاقہ اور مجاہدے کرنے والا شخص شریعت اسلام میں دی ہوئی سہولت و آسانی کی صحت کا معترف ہو، وہ اپنے قول و عمل سے اس کی تردید نہ کرے؛ اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْخَذَ بِرُخْصَهِ كَمَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْخَذَ
بِعَزَائِمِهِ. (المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۶۲۸۲)
اللہ کو جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنا پسند ہے اسی طرح رخصتوں
کو اپنانا بھی پسند ہے۔

(۶) شریعت اسلام میں ریاضات شاقہ اور مجاہدے مستحسن ہیں؛ لیکن کسی مباح امر کو واجب یا حرام کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، جیسا کہ سابق میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۷) عبادت کے ارکان بحسن و خوبی ادا کیے جائیں، سنن اور مستحبات کی رعایت ہو، ایسا نہ ہو کہ زیادہ نفل رکعتیں پڑھنے کے لیے نماز کے ارکان و واجبات کو جلدی جلدی ادا کیا جائے، یا قرآن مجید کی تلاوت میں مخارج حروف اور ترتیل کو نظر انداز کیا جائے، اور اگر عالم ہو تو مخارج حروف کی رعایت کے ساتھ قرآن مجید کے مضامین میں بھی غور و فکر ہو، اسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد محمول ہے:

لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ.

(ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۳۹۴)

وہ شخص قرآن مجید نہیں سمجھا جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا۔

بعض محدثین نے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے اور کہا کہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اکثر محدثین کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں مطلق ثواب کی نفی مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اس ثواب کی نفی کرنا مقصود ہے جو قرآن مجید کے مضامین میں غور وفکر کرنے کی وجہ سے ملتا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامع میں حدیث بالا کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: لاَ يُقْرَأُ القُرْآنُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلاَثٍ لِلْحَدِيثِ الَّذِي رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ، وَرُوِيَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ القُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ يُوتِرُ بِهَا وَرُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ القُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ فِي الكَعْبَةِ وَالتَّرْتِيلُ فِي القِرَاءَةِ أَحَبُّ إِلَى أَهْلِ العِلْمِ.

(ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۹۴۶)

بعض اہل علم حدیث بالا کی وجہ سے کہتے ہیں: تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہیں کرنا چاہیے، اور بعض اہل علم تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کی اجازت دیتے ہیں؛ کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ ایک رکعت میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، اور اس ایک رکعت سے اپنی نماز کو طاق بنایا کرتے تھے، یعنی وتر کی آخری رکعت میں پورا قرآن مجید

ختم کیا کرتے تھے، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:
انہوں نے کعبہ شریف میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا
ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنا
اہل علم کے نزدیک مستحب ہے۔

(۸) کسی بھی نفل عبادت کو شروع کیا جائے تو اس کو مواظبت و پابندی اور دل جمعی کے ساتھ انجام دیا جائے؛ اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ تَعَالَى أَدْوَمُهَا، وَإِنْ قَلَّ.
(مسلم شریف، حدیث نمبر: ۲۱۸)

اللہ کو وہ عمل زیادہ پسند اور محبوب ہے جس کو پابندی کے ساتھ کیا
جائے، اگرچہ وہ کمیت میں کم ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

يَا عَبْدَ اللَّهِ، لاَ تَكُنْ مِثْلَ فُلاَنٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ،
فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ. (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۱۵۲)

عبداللہ! فلاں جیسے نہ ہوجاؤ، وہ رات میں تہجد کے لیے اٹھتا
ہے، پھر اس نے رات میں اٹھنا چھوڑ دیا۔

(۹) اگر امام ہو تو اتنی لمبی نماز نہ پڑھائے جو کسی مقتدی کے لیے تکلیف اور ملال واکتاہٹ کا باعث ہو، جیسے: باجماعت نماز میں طویل سورتیں پڑھنا؛ کیوں کہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار وغیرہ افراد بھی ہوتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ
الصَّغِيرَ، وَالْكَبِيرَ، وَالضَّعِيفَ، وَالْمَرِيضَ، فَإِذَا صَلَّى
وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ. (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۸۳)

جو شخص نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے؛ اس لیے کہ جماعت میں بیمار، کمزور، بوڑھے اور حاجت مند ہوتے ہیں اور جب انفرادی نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لاَ أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلاَةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلاَنٌ، فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: ايُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ المَرِيضَ، وَالضَّعِيفَ، وَذَا الحَاجَةِ۔

(بخاری شریف، حدیث نمبر: ۹۰)

ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! فلاں صاحب کے لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھوں، حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موعظت میں اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم جماعت سے متنفر کرنے والے ہو، جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ مختصر نماز پڑھائے؛ اس لیے کہ جماعت میں کمزور، بیمار اور حاجت مند ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

صَلَّى مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ الْأَنْصَارِيُّ لِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ. فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ فَانْصَرَفَ رَجُلٌ مِنَّا. فَصَلَّى فَأُخْبِرَ

مُعَاذٌ عَنْهُ فَقَالَ: إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ الرَّجُلَ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ مَا قَالَ مُعَاذٌ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتُرِيدُ أَنْ تَكُونَ فَتَّانًا يَا مُعَاذُ؟ إِذَا أَمَمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى. (مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو عشاء کی نماز لمبی پڑھائی، ایک شخص نے نماز توڑ دی (اور انفرادی نماز پڑھ کر گھر چلا گیا) جماعت میں شریک افراد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے بارے میں بتایا کہ اس نے اپنی نماز فاسد کی اور گھر چلا گیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ منافق ہے، جب اس شخص کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو حقیقت حال کی خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور تین مرتبہ کہا: کیا تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالوگے، اے معاذ! جب تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو یہ سورتیں پڑھو: الشمس، الاعلیٰ، اللیل، العلق وغیرہ مختصر سورتیں۔

(۱۰) عبادت میں ریاضات شاقہ اور مجاہدے کرنے والا شخص یہ تصور نہ کرے کہ اس کا عمل (نعوذ باللہ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان صحابہ کرام کے عمل سے افضل ہے جنہوں نے عبادت میں دی گئی سہولتیں اور آسانی کو اختیار کیا ہے۔

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جن حضرات میں یہ شرائط پائی جائیں انہی کو عبادت میں مجاہدے کرنے کا حق ہے، امت میں جن صالحین اور اولیائے کرام نے عبادت میں ریاضت ومشقت کو برداشت کیا ہے ان میں مذکورہ بالا شرائط

بدرجہ اتم پائی جاتی تھی؛ جہاں تک ان لوگوں کی بات ہے جن میں مذکورہ شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی ہے تو وہ عبادت میں اعتدال اور یسر وآسانی کے پہلو اختیار کریں، اس باب میں یہی بات قول فیصل ہے، نہ اس میں افراط ہے اور نہ تفریط، شاید یہ عمدہ اور انوکھی بحث کو اس تفصیل کے ساتھ مجھ (عبدالحی لکھنوی) سے پہلے کسی عالم نے بیان نہیں کیا ہے؛ لہٰذا قارئین کو اس سے مستفید ہونا چاہیے اور اس کتاب کی قدر کرنی چاہیے۔

پانچواں باب

تراویح میں ایک ہی شب میں قرآن مجید مکمل پڑھنا

شبینہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ میں لوگ ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات یا دیگر راتوں میں مساجد کو سجاتے ہیں، چراغ جلاتے ہیں، قمقمے لگاتے ہیں اور نماز تراویح میں ایک ہی شب میں قرآن مجید ختم کرنے کے لیے چند ایسے جید حفاظ کو تلاش کیا جاتا ہے جو قرآن مجید غیر معمولی تیزی سے پڑھتے ہیں، چنان چہ ہر حافظ حسب مشورہ رکعات تراویح میں قرآن مجید کی تلاوت تیزی سے کرتا ہے اور مقتدی حضرات کا قولاً نہیں تو حالاً ضرور دباؤ ہوتا ہے کہ تا وقت سحر بیس رکعات میں قرآن مجید ختم ہو جائے اور یہ عمل شبینہ کے نام سے موسوم ہے، آیا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

ابو الحسنات مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا تفصیلی جواب دیا ہے، چنان چہ وہ لکھتے ہیں کہ

ایک ہی شب میں قرآن مجید ختم کرنا مستحسن عمل ہے، صحابہ اور صالحین سے یہ ثابت ہے؛ لیکن اس میں چند مفاسد در آئیں ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے:

(۱) قرآن مجید غیر معمولی تیزی سے پڑھنا، ایک ہی شب میں قرآن مجید ختم کرنے کے لیے جن حفاظ کا انتخاب ہوتا ہے وہ بالعموم نماز تراویح میں قرآن مجید اتنی تیزی سے پڑھتے ہیں کہ صحیح طور پر قرآن مجید کے حروف ادا نہیں ہوتے ہیں، مقتدی حضرات کو پتہ نہیں چلتا کہ کیا پڑھا بس یعلمون تعلمون اور اس جیسی آوازیں کانوں سے ٹکراتی ہیں، یہ نہایت قبیح عمل ہے جس کی اصلاح ناگزیر ہے۔

حضرت زیاد بن نعیم حضرمی مسلم بن مخراق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ نَاسًا يَقْرَأُ أَحَدُهُمُ الْقُرْآنَ فِي

لَيۡلَةٍ مَرَّتَيۡنِ، أَوۡ ثَلَاثًا، فَقَالَتۡ: أُولَئِكَ قَرَءُوا، وَلَمۡ يَقۡرَءُوا، كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، يَقُومُ اللَّيۡلَةَ التَّمَامَ، فَيَقۡرَأُ سُورَةَ الۡبَقَرَةِ، وَسُورَةَ آلِ عِمۡرَانَ، وَسُورَةَ النِّسَاءِ، ثُمَّ لَا يَمُرُّ بِآيَةٍ فِيهَا اسۡتِبۡشَارٌ إِلَّا دَعَا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَغِبَ. (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۸۷۵)

مسلم بن مخراق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کچھ لوگ ہیں جو قرآن مجید ایک ہی شب میں دو یا تین مرتبہ ختم کرتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ان کا قرآن مجید پڑھنا اور نہ پڑھنا برابر ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی پوری رات نماز میں مصروف رہتے، اور سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نساء کی تلاوت فرماتے، جب بھی دوران تلاوت کوئی ایسی آیت آتی جس میں اہل جنت کے انعامات کا ذکر ہوتا تو آپ کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ اللہ سے دعا کررہے ہیں اور ان انعامات کے حصول کے حریص ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نماز تراویح میں ان حفاظ میں بعض اتنی تیزی سے قرآن مجید پڑھتے ہیں کہ ان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر چند آیات چھوٹ جاتی ہیں، حتی کہ حافظ قرآن بھی ان کو لقمہ نہیں دے پاتا ہے، اور یہ بات بھی معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہے کہ بعض مقتدی یا خود نماز تراویح پڑھانے والا لقمہ دینے والے حافظ پر برہم ہوجاتے ہیں اور اسی کو کوستے ہیں، یہ انتہائی سنگین جرم ہے، اور جب وہ حافظ جیسے تیسے بیس رکعات میں مکمل قرآن مجید پڑھ لیتا ہے تو تمام مقتدی اس کی منہ بھر تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بہت خوب، ایک ہی شب میں قرآن مجید ختم کیا، آپ کی آواز کیا تھی، ماشاء اللہ، الامان والحفیظ۔

(۲) دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ جو حضرات یک شبینہ میں شریک ہوتے ہیں وہ پوری دلجمعی کے ساتھ نماز تراویح نہیں پڑھتے ہیں، حافظ قرآن مجید پڑھے جارہا ہے اور اکثر مقتدی گپ شپ کررہے ہیں، چائے نوشی ہورہی ہے، اور جب امام رکوع کے لیے تکبیر کہتا ہے تو وہ فوری طور پر امام کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں، ایسے لوگ اس آیت کے مصداق ہیں:

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى. (النساء، ۱۴۲)

جب وہ نماز میں شریک ہوتے ہیں تو وہ بڑے سست اور کاہل ہوتے ہیں۔

(۳) مقتدی حضرات کو مشقت و پریشانی میں ڈالنا؛ اس لیے کہ جب حافظ کو ایک ہی شب میں قرآن مجید ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ مجبوراً طویل قیام کرے گا جو مقتدیوں کے لیے پریشانی اور ایذا رسانی کا سبب ہوگا۔

(۴) ضرورت سے زیادہ لالٹین (بلب) لگانا، یہ اسراف ہے، جس سے احتراز ضروری ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یک شبینہ فی نفسہ مستحسن عمل ہے؛ لیکن اس میں مذکورہ بالا مفاسد در آنے کی وجہ سے وہ مذموم اور منکر عمل ہوگیا۔

بحمد للہ آج یکم صفر بروز جمعرات ۱۴۴۳ھ مطابق ۸ / ڈسمبر ۲۰۲۱ کو ترجمہ کی تکمیل ہوئی، اللہ اس کے نفع کو عام و تام فرمائے آمین۔

محمد عبد الرحمن عفی عنہ